Tele : 7500

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

# طلوعِ اسلام

ربیع الاول

ستمبر ۱۹۵۸ء

## آسوۂ حسنہ

بخاری میں روایت ہے ۔

رسول ص اللہ نے وفات کے وقت کچھ نہیں چھوڑا ۔ نہ درہم نہ دینار ۔ نہ غلام نہ لونڈی ۔ نہ کوئی اور شے ۔ صرف اپنا سفید خچر اور ہتھیار ۔ اور کچھ زمین جسے عام مسلمانوں کے لئے چھوڑ دیا ۔

دوسری روایت ہے کہ رسول ص اللہ نے فرمایا ۔

ہمارا کوئی وارث نہیں ۔ جو چھوڑا وہ عام مسلمانوں کے لئے ہے ۔

(بخاری)


شائع کردہ :-

ادارۂ طلوع اسلام

25—B گلبرگ کالونی لاہور


قیمت بارہ آنے

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

# طلوعِ اسلام


بدل اشتراک
ہندوستان اور پاکستان سے سالانہ آٹھ روپے
غیر ممالک سے ۱۴ شلنگ

قیمت فی پرچہ
ہندوستان اور پاکستان کے
بارہ ۱۲ آنے

ٹیلیفون نمبر 7500
خط و کتابت کا پتہ
ناظم ادارہ طلوع اسلام
25/8 گلبرگ کالونی - لاہور

جلد ۱۱ | ستمبر سنہ ۱۹۵۸ء | نمبر ۹


## فہرست مضامین


| | | |
|---|---|---|
| لمعات | | ۲ |
| جہانِ نو | (محترم پرویز صاحب) | ۹ |
| مجلس اقبال | " | ۱۷ |
| قرآن مجید میں غور و فکر کی دعوت | (محترم عبدالرحمٰن صاحب طاہر سورتی) | ۲۵ |
| اسلام کی سرگذشت | (ڈاکٹر احمد امین مصری مرحوم) | ۴۲ |
| حقائق و عبر | | ۵۷ |
| نقد و نظر | | ۶۵ |
| رابطۂ باہمی | | ۷۵ |

هر کجا بینی جهانِ رنگ و بو

آنکه از خاکش بروید آرزو

یا ز نورِ مصطفیٰ او را بهاست

یا هنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# لمعات

## آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰؐ است

ربیع الاوّل کا مقدس مہینہ آرہا ہے، رمضان کے مہینہ کا تعارف کراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا ہے شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ" رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔ غور کیجئے تو ان تین چار لفظوں میں عظمت اور احترام کے تمام گوشے سمٹ کر آگئے ہیں۔ اسی طرح اگر ربیع الاوّل کے مہینے کا تعارف مقصود ہو تو اس سے زیادہ اور کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہوگی کہ یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں وہ ذات اقدس واعظمؐ دنیا میں تشریف لائی جس کے سینۂ پُر نور کو قرآن کا مہبط بننا تھا۔ اصل یہ ہے کہ رمضان و ربیع الاوّل کی عیدیں ایک ہی حقیقت کے دو پہلو اور ایک ہی سکہ کے دو رُخ ہیں، نہ قرآن کو رسالت محمدیہ سے الگ کیا جاسکتا ہے۔ نہ رسالت محمدیہ کسی طرح قرآن سے جدا ہے۔

اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے تذکار جلیلہ کی اہمیت ایسی ہے کہ سال کے ہر مہینہ اور مہینہ کے ہر دن کو اس کے مختلف پہلوؤں کو اقوام عالم کے سامنے پیش کیا جانا چاہیئے۔ لیکن یہ بھی غنیمت ہے کہ کم از کم ایک مہینہ میں اس تذکرۂ مقدسہ کے لئے محفلیں منعقد کی جاتی ہیں اور کوشش کی جاتی ہے کہ دنیا کے مختلف گوشوں تک اس بلند و برتر کام کی آواز پہنچ جائے۔ ان محفلوں میں زیادہ تر تو اس نوعیت کی ہوتی ہیں جن میں بتایا جاتا ہے کہ اللہ میاں نے کس طرح حضرت آدمؑ کا پتلا تیار کیا اور پھر کس طرح نور محمدیؐ مختلف انبیاء کرامؑ میں منتقل ہوتا ہوا بطن آمنہ تک پہنچا، یہاں تک پہنچنے کے بعد سلسلۂ کلام کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ یعنی جہاں سے سلسلۂ کلام کا آغاز ہونا تھا وہاں اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے، دوسری قسم کی محفلیں وہ ہیں جن میں دنیا بھر کی عجائب پرستیوں کو اس ذات گرامیؐ کی طرف منسوب کرتے چلے جاتے ہیں جو علم و بصیرت کی انتہائی بلندیوں پر فائز تھی اور جس کی بعثت کا ایک عظیم مقصد دنیا سے جہالت اور توہم پرستی کو مٹانا تھا۔ بہت کم محفلیں ایسی

دیکھنے میں آئیں گی جن میں حضورؐ کی سیرت طیبہ کو اس انداز سے پیش کیا جائے کہ وہ بھٹکی ہوئی انسانیت کے لئے چراغ راہ کا کام دے سکے۔ حالانکہ یہی وہ مقصد تھا جس کے لئے قرآن نے حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کو اپنے دفتین میں محفوظ کر کے شرفِ دوام بخش رکھا تھا، حقیقت یہ ہے کہ جس طرح بعض کم شناس لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹھی رساں کی طرح تھے جنھوں نے خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا اور بس۔ اسی طرح دوسرے گروہ نے اسی چیز کو باعث عز و شرف سمجھ لیا کہ یہ بتایا جائے کہ حضورؐ نے جو کچھ کیا وہ ان مافوق الفطرت قوتوں کی وجہ سے تھا جو حضورؐ کے لئے مختص تھیں نتیجہ اس کا یہ کہ حضورؐ کی زندگی امت کے لئے اسوۂ حسنہ (بہترین ماڈل) بننے کی بجائے ایک ایسا راستہ نظر آنے لگ جاتا ہے جس پر چلنا انسانوں کے بس کی بات نہ ہو۔

حضورؐ کی حیات نبوت کو دو ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے ایک مکی زندگی دوسری مدنی، مکی زندگی صعوبات اور مشکلات کی زندگی ہے اور مدنی زندگی وہ ہے جس میں حضورؐ ایک سلطنت کے مالک تھے۔ مدنی دور میں بھی آپ نے جس انداز کی زندگی بسر کی کتب تاریخ وسیر اس پر کافی روشنی ڈالتی ہیں، مولانا شبلیؒ نے اپنی سیرت کی پہلی جلد میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ

> مصنفین یورپ کا عام خیال ہے کہ آنحضرتؐ جب تک مکہ معظمہ میں تھے تو پیغمبر تھے۔ مدینہ پہنچ کر پیغمبر سے بادشاہ ہو گئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ تمام عرب کے زیر نگین ہو جانے پر بھی فاقہ کش رہے۔ صحیح بخاری باب الجہاد میں روایت ہے کہ وفات کے وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے ہاں تین صاع جو پر گرو تھی۔ جن کپڑوں میں آپ نے وفات پائی ان میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب تمام عرب حدود شام سے لے کر عدن تک فتح ہو چکا ہے اور مدینہ کی سرزمین میں زر و سیم کا سیلاب آ چکا ہے.... حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں وَلَا يَطْوِيْ لَہٗ ثَوْبٌ کبھی آپ کا کوئی کپڑا تہہ کر کے نہیں رکھا گیا۔ صرف ایک جوڑا کپڑا ہوتا تھا۔ دوسرا نہیں ہوتا تھا جو تہہ کر کے رکھا جا سکتا۔
>
> گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا۔ اور رات کو تو اکثر آپ اور سارا گھر بھوکا سوتا تھا۔
>
> كَانَ رَسُوْلُ اللهِ يَبِيْتُ اللَّيَالِي الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا هُوَ وَ أَهْلُهٗ لَا يَجِدُوْنَ عَشَاءً
>
> آپ اور آپ کے اہل و عیال مسلسل کئی کئی رات بھوکے رہ جاتے تھے۔ کیونکہ رات کا کھانا میسر نہیں ہوتا تھا۔
>
> پیہم دو دو مہینے تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے جب ایک موقع پر یہ واقعہ بیان کیا تو عروہ بن الزبیر نے پوچھا کہ آخر گذر اکس چیز پر تھا؟ بولیں کہ پانی اور کھجور۔ البتہ ہمسائے کبھی کبھی بکری کا دودھ بھیج دیتے تھے تو پی لیتے تھے۔ آپ نے تمام عمر کبھی چپاتی کی صورت نہیں دیکھی۔ میدہ جس کو عرب میں حواری اور نقی کہتے ہیں کبھی نظر سے نہیں گزرا۔ سہل بن سعد جو اس واقعہ کے راوی ہیں ان سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا آنحضرتؐ کے زمانہ میں چھلنیاں نہیں تھیں، بولے نہیں۔ لوگوں نے کہا پھر کس چیز سے آٹا چھانتے تھے۔ بولے منہ سے پھونک کر بھوسی اڑا دیتے تھے۔ جو رہ جاتا تھا اسے گوندھ کر پکا لیتے تھے۔
>
> حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تمام عمر یعنی مدینہ کے قیام سے وفات تک آپ نے کبھی دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی۔ ایک دفعہ ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا کہ سخت بھوکا ہوں۔ آپ نے ازواج مطہرات میں سے کسی کے ہاں کہلا بھیجا۔

کہ کچھ کھانے کو بھیجدو۔ جواب آیا کہ گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں۔ آپ نے دوسرے گھر کہلا بھیجا۔ وہاں سے بھی یہی جواب آیا۔ مختصراً یہ کہ آٹھ گھروں میں سے کہیں پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک دن خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ نے شکم کو کپڑے سے کس کر باندھا ہے سبب پوچھا تو حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا کہ بھوک کی وجہ سے۔

ایک دفعہ صحابہؓ نے آنحضرت کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھایا کہ پتھر بندھے تھے۔ آپ نے شکم کھولا تو ایک کی بجائے دو دو پتھر تھے: (صفحہ ۳۴۹ تا صفحہ ۳۵۲)

آپ نے دیکھا کہ ان تفاصیل کی رو سے حضورؐ کی زندگی حکمرانی کے زمانہ میں بھی نہ صرف سادگی کی زندگی تھی بلکہ انتہائی عسرت بلکہ نقر و فاقہ کی زندگی تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضورؐ کی زندگی کا نقشہ ایسا کیوں تھا؟ عام طور پر تبایا جاتا ہے کہ حضورؐ نے اپنے لئے فقر و فاقہ کی زندگی کو پسند کیا تھا کیونکہ مرفہ الحالی اور فارغ البالی کی زندگی سے آپ کو نفرت تھی۔ لیکن بادنیٰ تعمق یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس قسم کی عسرت وافلاس اور فقر و فاقہ کی زندگی جو رہبانیت کی دوسری شکل ہے اسلام کی روح کے منافی ہے۔ اس لئے اس کی مذکورہ بالا توجیہہ صحیح قرار نہیں پاسکتی۔ سادگی اور شے ہے اور فقر و فاقہ بالکل دوسری شے۔ اس کی صحیح توجیہہ سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک وہ مشن ہمارے سامنے نہ ہو جسے قرآن نے متعین کیا تھا اور جسے حضورؐ عملی شکل میں لانا چاہتے تھے۔ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جائے جس میں تمام افراد معاشرہ کے رزق کی ذمہ داری نظام معاشرہ پر ہو۔ جسے عام طور پر مدنی دور کی حکومت کہا جاتا ہے وہ در حقیقت اسی قسم کے معاشرہ کے قیام کی اولین کوشش تھی۔ سطح بیں نگاہیں لاکھوں مربع میل پر مشتمل حکومت اور اموال خراج و غنیمت تو دیکھتی ہیں لیکن انھیں وہ ذمہ داریاں دکھائی نہیں دیتیں جو نظام ربوبیت کے دہی کے سر پر عائد ہوتی ہیں، حضورؐ کے پیش نظر اس لاکھوں میل کی مملکت کے دائرے میں بسنے والے وہ ملکو کھا افراد تھے جنہیں نہ کھانے کو روٹی ملتی تھی نہ پہننے کو کپڑا۔ فقر و فاقہ نے ان کی زندگی کو عام انسانی زندگی کی سطح سے کہیں پست کر رکھا تھا۔ اس نظام کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے تمام افراد کی ضروریات زندگی کا بہم پہنچانا حضورؐ اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے، جب اس ذمہ داری کی کیفیت وکمیت کو دیکھا جائے تو اس نوزائیدہ مملکت کے ذرائع اور محاصل قطعاً اس کے متکفی نہیں ہوسکتے تھے کہ تمام افراد مملکت بہمہ وجوہ فارغ البالی اور خوش حالی کی زندگی بسر کر سکنے اور چونکہ اس نظام میں مملکت کا سب سے بڑا رکن اس وقت کھاتا ہے جب اسے اطمینان ہو کہ تمام افرادِ مملکت نے کھا لیا ہے اور اس وقت پہنتا ہے جب اسے یقین ہو کہ ہر فرد کو کپڑا میسر آچکا ہے، اس لئے اس کی اپنی زندگی مملکت کے غریب ترفرد کی زندگی ہوتی ہے۔ یہ زمانہ تو پھر بھی مملکت کے آغاز کا دور تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں جب سلطنت کی وسعتیں دور دراز تک پھیل چکی تھیں خود خلیفہ کے تہ بند میں بارہ بارہ پیوند نظر آتے تھے اور انھوں نے اعلان کر رکھا تھا کہ "عمرؓ گیہوں کی روٹی اس وقت کھائے گا جب اسے یقین ہوجائے کہ مملکت کے ہر فرد کو گیہوں کی روٹی مل رہی ہے"۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں افراد مملکت کو روٹی ملنے لگ گئی۔ لیکن جو کی۔ اس لئے خلیفۃ المسلمین جو کی روٹی کھا لیتا تھا، رسول اللہؐ کے زمانہ میں ساری مملکت کے افراد کو پیٹ بھر کر روٹی نہیں مل سکتی تھی اس لئے سربراہ مملکت کو ان بھو کو

فاقے کرنے پڑتے تھے۔ اس لئے کہ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے آپ اس وقت پیٹ بھر کر کھا سکتے تھے جب آپ کو یقین ہو جاتا کہ مملکت کے ہر فرد کو پیٹ بھر کر روٹی مل رہی ہے۔

یہ ہے صحیح توجیہہ اس حقیقت کی کہ حضورؐ حکومت مل جانے کے بعد بھی انتہائی عسرت کی زندگی کیوں بسر کرتے تھے۔ یہ رہبانیت و خانقاہیت کے فقر و فاقے نہیں تھے بلکہ نظام ربوبیت کے داعی کی ذمہ داریوں کا نتیجہ تھے۔ آپ غور کیجئے کہ اس سے بات کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے۔ اور اگر اس حقیقت کو اس پس منظر میں دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تو حضورؐ کا یہ اسوۂ حسنہ ستائی ہوئی اور مظلوم انسانیت کے لئے کس طرح خراماں خراماں ارم بن جاتا ہے۔

اسی سلسلہ کی اگلی کڑی وہ روایات ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ

مرض الموت کے ایام میں حضورؐ کے پاس سات دینار تھے اور حضورؐ فرماتے تھے کہ انہیں صدقہ کردو۔ لیکن اس کے بعد حضورؐ پر غشی طاری ہوگئی اور سب لوگ آپ کی تیمارداری میں مصروف ہوگئے آپ کو ہوش آیا تو فرمایا وہ دینار لے آؤ، دینار کو حضورؐ نے اپنے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ محمدؐ کا اپنے رب پر کیا گمان ہوگا جبکہ وہ اپنے رب سے ملے اور اس کے پاس یہ ہوں، پھر حضورؐ نے انہیں خود صدقہ کردیا۔ (راحۃ المسیر حکیم داناپوری)

یہ بھی درہم و دینار سے راہبانہ نفرت کا مظاہرہ نہیں تھا بلکہ قرآن کی اس تعلیم کا آئینہ دار تھا جس کی رُو سے فاضلہ دولت کو اپنے پاس رکھا ہی نہیں جا سکتا، قرآن کے اسی حکم کا نتیجہ تھا کہ حضورؐ نے عمر بھر فاضلہ دولت کبھی اپنے پاس نہیں رکھی۔ آخری دنوں میں یہ سات دینار کہیں سے آگئے تھے اور چونکہ وہ اپنی ضرورت سے زیادہ تھے اس لئے انہیں دوسروں کی ضروریات پورا کرنے کے لئے دینا تھا۔ سو دیدیا۔ قرآنی نظام معاشرہ کا نقشہ ہی یہ ہوتا ہے کہ اس میں فاضلہ دولت کسی کے پاس نہیں رہتی خواہ وہ ایک دینار ہی کیوں نہ ہو اس میں ہر فرد پوری پوری محنت کرتا ہے اور جو کچھ زائد از ضرورت ہوتا ہے اسے نوع انسانی کی بہبودی کے لئے معاشرہ کی تحویل میں دیدیتا ہے۔ معاشرہ اس سے تمام ضرورتمندوں کی ضروریات پورا کرنے کا انتظام کرتا ہے۔

اسی سلسلہ کی اگلی کڑی وہ ہے جس میں ہمارے سامنے اس قسم کی روایات آتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:۔

مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِرْهَمًا وَلَا دِيْنَارًا، وَلَا شَاةً وَلَا بَعِيْرًا وَلَا أَوْصٰى بِشَيْءٍ (رواہ مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ درہم چھوڑا نہ دینار، نہ بکری، نہ اونٹ، اور نہ کسی چیز کی وصیت کی۔

ام المومنین حضرت جویریہؓ کے بھائی عمرو بن الحارث کی روایت بخاری میں ہے:۔

مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ مَوْتِهٖ دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَلَا عَبْدًا وَلَا أَمَةً وَلَا شَيْئًا إِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ وَسِلَاحَهُ وَ أَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت نہ دینار چھوڑا نہ درہم، نہ غلام نہ لونڈی اور نہ کوئی چیز سوائے اپنے ایک سفید خچر کے

اور اپنے ہتھیار کے اور اس زمین کے جسے آپؐ نے صدقہ کر دیا تھا۔

علامہ شبلیؒ نے متروکات کے عنوان کا آغاز ہی ان الفاظ سے کیا ہے۔

> آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انتقال فرمایا تو اپنے مقبوضات اور جائدادوں سے کیا کیا چیزیں ترکہ میں چھوڑیں؟ اس سوال کا اصل جواب تو یہ ہے کہ آپ خود اپنی زندگی میں اپنے پاس کیا رکھتے تھے جو مرنے کے بعد چھوڑ جاتے اور اگر کچھ تھا بھی تو اس کے متعلق عام اعلان فرما چکے تھے کہ "لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ" ہمارا کوئی وارث نہیں، جو چھوڑا وہ عام مسلمانوں کا حق ہے (صفحہ ۱۸۵)

ہمارے سیرت نگار اور واعظ حضرات بیان کرنے کو تو ان روایات کو بیان کر دیتے ہیں لیکن اس کے بعد اس احساس سے گھبرا اٹھتے ہیں کہ اگر کسی نے یہ پوچھ لیا کہ اگر سنتِ رسول اللہ اور اسوۂ حسنہ یہی ہے تو پھر آپ حضرات جو بتلاتے ہیں کہ اسلام میں نہ بے شمار دولت جمع کرنے پر کوئی پابندی ہے اور نہ زمین پر بے حد و بے نہایت ذاتی ملکیت پر کسی قسم کی کوئی قید۔ بے پناہ دولت اور حدود فراموش جائیدادوں کو اپنے قبضہ میں بھی رکھا جا سکتا ہے اور پھر انہیں بطور ترکہ بھی چھوڑا جا سکتا ہے تو اس کے جواز کی صورت کیا ہے؟ اس گھبراہٹ سے نکلنے کے لئے وہ اس قسم کی توجیہات پیش کرنے لگ جاتے ہیں کہ یہ احکام رسول اللہؐ کی ذات سے مختص تھے، عام مسلمانوں کے لئے نہیں ہیں۔ یا یہ کہ جس قسم کی مثالی زندگی رسول بسر کرتا ہے اُمت کے لئے اس تک پہنچنا کیسے ممکن ہے، یہ توجیہات اس کشمکش سے نکلنے کی ناکام کوشش ہے جو رسول اللہؐ کی حیاتِ طیبہ کے مذکورہ بالا نقشے اور ان کے پیش کردہ مروجہ مذہب میں تضاد سے پیدا ہوتی ہے۔ قرآن کا طالب علم جانتا ہے کہ جو دو چار احکام حضورؐ کی ذات سے مختص تھے اور دوسرے مسلمانوں پر ان کا اطلاق نہیں ہوتا تھا (مثلاً حضورؐ کی ازواجِ مطہرات کا امہات المومنین ہونا) وہ قرآن کے اندر بصراحت مذکور ہیں، اگر مذکورہ بالا روایات کے احکام بھی حضورؐ کی ذات سے مختص ہوتے تو ان کا ذکر بھی قرآن میں آ جاتا چونکہ قرآن میں ان کا ذکر کہیں نہیں اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں کہ یہ احکام حضورؐ کی ذات سے مختص تھے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ جس راستہ پر رسول چلتے تھے اُمت کے لئے اس راستہ پر چلنا ممکن نہیں تھا۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے اگر رسول اللہؐ کی زندگی کو امت کے لئے اسوۂ حسنہ نہیں بننا تھا تو کتاب کے ساتھ رسول بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی، اصل یہ ہے کہ یہ کشمکش اور گھبراہٹ اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ ان حضرات کے سامنے قرآن کا وہ نظام نہیں جسے متشکل کرنے کے لئے حضورؐ نے اپنی زندگی وقف کی تھی، جس نظام میں فاضلہ دولت کسی فرد کے پاس رہتی نہیں اس میں جائیدادیں بنانے یا زر و سیم کے ڈھیر ترکہ میں چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ ہم متعدد بار لکھ چکے ہیں قرآن کے وراثت کے متعلق احکام اس دور سے متعلق ہیں جب قرآنی نظام قائم نہ ہو، قرآنی نظام کی موجودگی میں یہ احکام اسی طرح پیچھے ہٹ جاتے ہیں جس طرح پانی مل جانے کی صورت میں تیمم کے احکام ساقط العمل ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہؐ نے قرآنی نظام قائم کیا تھا اس لئے آپ کا یہ طرزِ عمل اور اعلانات اس کا فطری نتیجہ تھے۔ غور کیجئے کہ اگر نبی اکرمؐ کی سیرتِ طیبہ کے ان گوشوں کو قرآنی نظامِ ربوبیت کے پس منظر میں پیش کیا جائے تو دنیا کا کونسا انسان ہے جو موجودہ جہنم کو چھوڑ کر دامن محمدی کے نیچے مسکراتی ہوئی جنت میں پناہ لینے کے لئے بیتابانہ آگے نہیں بڑھ آئے گا؟ سوچئے کہ کیا اس وقت مصر اور عراق کو وہ کچھ کرنے کی ضرورت پیش آئے گی جو کچھ وہاں کیا گیا ہے اور کیا جا رہا ہے اور کیا پاکستان کو اس طرح مغلوبی کے

دورا ہے پر کھڑے ہو کر للچائی ہوئی نظروں سے کبھی امریکہ کی طرف اور کبھی روس کی طرف دیکھنے کی ضرورت پیش آئے گی؟

یہ بھی واضح رہے کہ یہ چیز قرآنی معاشرہ کی لازمی شق نہیں کہ اس میں سربراہ مملکت اور دیگر ارباب حل و عقد کی زندگی فقر و فاقہ اور عسرت و افلاس کی زندگی ہوگی۔ اس کی لازمی شق یہ ہے کہ اس میں ان ذمہ دار حضرات کا معیار زیست وہی ہوگا جو ملک کے عام افراد کا ہوگا۔ جوں جوں عوام کا معیار بلند ہوتا جائے گا "خواص" کا معیار بھی بلند ہو جائے گا۔ اس میں جس قسم کی آسائشیں اور فراوانیاں ذمہ دار حضرات اپنے لئے چاہیں گے، انھیں وہ آسائشیں اور فراوانیاں عوام کے لئے مہیا کرنی ہوں گی جب وہ عوام کو میسر آجائیں گی تو پھر ان خواص کے لئے بھی جائز قرار پا جائیں گی۔ یہ تھا معاشرہ کا وہ نقشہ جسے محمد رسول اللہ والذین معہ نے قائم کر کے دکھایا لیکن جسے اس مذہب نے جو بعد میں ہمارے دور ملوکیت و مفاد پرستی نے وضع کیا "روحانی دنیا کا خواب" کہہ کر الگ ہٹا دیا اور اس کے بعد اس کے فقط تذکرے واعظوں کی زبان پر رہ گئے تاکہ وہ مفلس اور نادار عوام کو یہ کہہ کر افیون پلاتے رہیں کہ تم اس غریبی اور ناداری سے قطعاً ملول خاطر نہ ہو۔ یہ زندگی تو وہ ہے جسے امت کے سردار خدا کے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے اختیار کیا تھا۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ ملک کی دولت چند خاندانوں میں سمٹ کر جمع ہو رہی ہے اور عوام نان شبینہ تک کے بھی محتاج ہیں اور اس کے باوجود ہماری مساجد، دعوت وارشاد سے غلغلہ ہائے تہنیت بلند ہوتے ہیں۔ کہ بحمد اللہ مملکت مسلمان ہو گئی ہے۔ یاد رکھئے مملکت اس وقت مسلمان ہوتی ہے جب اس میں کوئی فرد اپنی بنیادی ضروریات زندگی کے لئے کسی دوسرے کا محتاج نہ رہے اور یہ کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی جب تک مملکت ان خطوط پر متشکل نہ ہو جنھیں قرآن نے متعین کیا اور جن پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ہاتھوں نے دین کی عمارت استوار کی، دنیا کے کسی اور نقشہ کو اسلام قرار دینا اسلام کے نام پر بہت بڑا فریب ہے۔ دنیا اس اسلام کے لئے جس قدر مضطرب و بے قرار آج ہے اس سے پہلے شاید کبھی نہ تھی۔ دیکھیں۔ اس صحیح محمدی اسلام کو پھر سے عملاً قائم کرنے کی سعادت کس کے حصہ میں آتی ہے

آوازۂ حق اٹھتا ہے کب اور کدھر سے          مسکیں دلکم ماندہ درین کشمکش اند

---

## نمایندگان کا اجتماع

بزموں کی طرف سے آمدہ جوابات کی روشنی میں طے کیا گیا ہے کہ بزموں کے نمایندوں کا مشاورتی اجتماع ۱۸ اکتوبر بروز ہفتہ منعقد ہوگا، جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے ہر ابتدائی بزم اور ضلع کی بزم اپنی طرف سے ایک ایک نمائندہ اس اجتماع میں بھیجے۔ نمایندوں کے نام کی اطلاع ادارہ کے پاس ۱۵ ستمبر تک پہنچ جانی چاہیئے، اس کے بعد ان کے نام دعوت نامے جاری کئے جائیں گے۔ اجتماع کی کارروائی ہفتہ ۱۸ اکتوبر صبح ۸ بجے شروع کر دی جائے گی، دن بھر یہ اجتماع رہے گا۔ دوسری صبح درس کے بعد قریب ۱۰ بجے احباب رخصت ہوں گے۔ یہ احباب ادارہ کے مہمان ہوں گے، رات کے لئے ہلکا سا بستر ساتھ لانا کافی ہوگا۔ اجتماع میں زیادہ تر غور و فکر قرآنی مشن کو تیزی سے آگے بڑھانے کے موضوع پر ہوگا، امید ہے نمایندگان اس موضوع پر (یا اس کے علاوہ خاص نکات کے متعلق) اپنی اپنی بزم سے تجاویز ساتھ لائیں گے۔

بعض احباب اس غلط فہمی میں ہیں کہ اکتوبر یا نومبر میں طلوع اسلام کی سالانہ کنونشن بھی ہوگی۔ انھیں شاید یاد نہیں رہا کہ راولپنڈی میں طے یہ پایا تھا کہ آیندہ کنونشن موسم بہار میں منعقد ہوا کرے گی۔ اس لئے طلوع اسلام کنونشن کا انعقاد مارچ ۸۱ء سے پہلے نہیں ہو سکے گا۔

پیش کش

# برائے طباعت لغات القرآن

۲۲ر جولائی سے ۲۱ر اگست تک جو عطیات موصول ہوئے ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

**انفرادی**

| | |
|---|---|
| کراچی کے ایک قرآنی دوست | 5 ـ ـ |
| جناب مسعود جان صاحب | 50 ـ ـ |
| | 55 ـ ـ |

**بزمہائے طلوع اسلام**

| | |
|---|---|
| شیخوپورہ | 25 ـ ـ |
| ڈیرہ غازی خاں | 50 |
| مردان | 800 |
| چنیوٹ | 100 |
| پشاور | 540 |
| | 1515 ـ ـ |

**میزان کل**

| | وعدے | کل موصول رقم تا ۲۱ر اگست ۱۹۵۰ء |
|---|---|---|
| انفرادی | 23,394 ـ 8 ـ ٠ | 21,977 ـ 8 ـ ٠ |
| بزمیں | 28,041 ـ ٠ ـ ٠ | 16,024 ـ ٠ ـ ٠ |
| میزان | 51,435 ـ 8 ـ ٠ | 38,001 ـ 8 ـ ٠ |

### بتقریب جشنِ عیدِ میلاد النبیؐ

# جہانِ نو

پرویز

کسی انسان کی زندگی کی کامیابی اور ناکامی کے ماپنے کا پیمانہ یہ ہے کہ جب وہ دنیا میں آیا تو اس نے دنیا کو کیسا پایا اور جب وہ یہاں سے گیا تو دنیا کو کس حالت میں چھوڑا۔ اگر اس نے دنیا کو حق و صداقت کے لئے ناسازگار اور عدل و انصاف کے لئے نامساعد پایا تو دیکھنا یہ ہوگا کہ اس نے اس ناسازگاری کو سازگاری اور نامساعدت کو مساعدت میں بدلنے کے لئے کیا کچھ کیا اور اس کی تگ و تاز و سعی و کاوش کا نتیجہ کیا نکلا۔

جس حیاتِ طیبہ کے تذکارِ جلیلہ و کوائفِ جمیلہ ہمارے لئے وجہ شادابیٔ قلب و نگاہ اور باعثِ افزائشِ ایمان و بصیرت ہیں اس نے جب اس مسکنِ انسانی میں چشمِ نبوت وا کی تو اسے جس عالم میں پایا اس کے متعلق ہم سے نہیں۔ ایک غیر مسلم مؤرخ کی زبان سے سنئے۔ وہ کہتا ہے۔

> اس وقت ایسا دکھائی دیتا تھا کہ تہذیب کا وہ قصرِ مشید جس کی تعمیر میں چار ہزار سال صرف ہوئے تھے منہدم ہونے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اور نوعِ انسانی پھر اسی بربریت کی طرف لوٹ جانے والی تھی جہاں ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خون کا پیاسا تھا اور آئین و ضوابط کو کوئی جانتا تک نہ تھا۔ قدیم قبائلی آئین و مسالک اپنی قوت و احترام کو کھو چکے تھے اس لئے اب ملوکیت کے پرانے طریق و انداز کا سکہ دنیا میں نہیں چل سکتا تھا۔ عیسائیت نے جن قواعد و ضوابط کو رائج کیا تھا وہ نظم و ضبط اور وحدت و یکجہتی کے بجائے تشتت و افتراق اور بربادی و ہلاکت کا موجب بن رہے تھے۔ غرضیکہ وقت وہ آچکا تھا جبکہ ہر طرف فساد ہی فساد نظر آتا تھا۔ تہذیب کا وہ بلند و بالا درخت جس کی سرسبز و شاداب شاخیں کبھی ساری دنیا پر سایہ فگن تھیں۔ اور آرٹ۔ سائنس اور لٹریچر کے سنہری پھلوں سے لدی ہوئی تھیں۔ اب لڑکھڑا رہا تھا عقیدت و احترام کی زندگی بخش نمی اس کے تنے سے خشک ہو چکی تھی اور وہ اندر تک سے بوسیدہ ہو کر کھوکھلا ہو چکا تھا۔ جنگ و جدال کے طوفان نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے، جو صرف پرانی رسموں کے بندھن سے یکجا کھڑے تھے۔

اور جن کے متعلق ہر وقت خطرہ تھا کہ اب گرے یا اب۔ کیا (ان حالات میں) کوئی ایسا جذباتی کلچر پیدا کیا جاسکتا تھا جو نوع انسانی کو ایک مرتبہ پھر ایک نقطہ پر جمع کر دے اور اس طرح تہذیب کو مٹنے سے بچالے! اس کلچر کو بالکل نئے انداز کا ہونا چاہیئے تھا۔ اس لئے کہ پرانی رسومات و آئین سب مردہ ہو چکے تھے اور انہی جیسے اور قوانین مرتب کرنا صدیوں کا کام تھا۔

(Emotion As The Basis Of Civilisation)

## انقلاب کے نتائج

یہ تھی وہ حالت جس میں اس داعیٔ انقلاب نے دنیا کو پایا۔ جو دنیا کو ایک "طرح نو" سے آشنا کرنے کے لئے آیا تھا۔ کیا اس نے دنیائے تہذیب و تمدن کے ان تقاضوں کو پورا کیا جس کی طرف اوپر کے اقتباس میں اشارہ کیا گیا ہے؟ اس کا جواب ہم سے نہیں خود اس اقتباس کے مصنف کی زبان سے سنئے جو کہتا ہے کہ

> یہ امر موجب حیرت و استعجاب ہے کہ اس قسم کا نیا کلچر عرب کی سرزمین سے پیدا ہوا۔ اور اس وقت پیدا ہوا جبکہ اس کی اشد ضرورت تھی۔

یہ حیرت انگیز کلچر اسی ذات گرامی کی عدیم النظیر تعلیم اور فقید المثال عمل کا درخشندہ نتیجہ تھا جس کی تعلیم و عمل نے دنیا کو بتا دیا کہ ایک انسان دنیا میں کیا کچھ کر سکتا تھا۔

یہ انقلاب کیا تھا؟

> عربوں کے لئے یہ انقلاب ایک نئی زندگی تھی جو انہیں تاریکی سے نور کی طرف لے آئی تھی۔ عرب اس کے ذریعے پہلی دفعہ زندہ ہوا۔ ایک ایسی قوم جو ابتدائے آفرینش سے گمنامی کے عالم میں ریوڑ چراتی پھرتی تھی ان کی طرف ایک رسول آیا جو اپنے ساتھ ایک ایسا پیغام لایا جس پر وہ قوم ایمان لے آئی۔ وہ دیکھو! وہی گمنام چرواہے دنیا کی ممتاز ترین قوم بن گئے، وہ حقیر قوم ایک عظیم الشان ملت میں تبدیل ہو گئی۔ ایک صدی کے اندر اندر عرب ایک طرف غرناطہ اور دوسری طرف دہلی تک چھا گئے۔ اس کے بعد سینکڑوں برس ہو چلے ہیں کہ یہ اسی شان و شوکت اور درخشندگی و تابندگی سے کرۂ ارض کے ایک عظیم حصہ پر مسلط ہیں۔ (یہ سب ایمان کی حرارت سے ہوا۔) ایمان بہت بڑی چیز ہے۔ ایمان ہی سے زندگی ملتی ہے جونہی کسی قوم میں ایمان پیدا ہوا اس قوم کی تاریخ، اعمال میں نتائج اور روح میں بالیدگی پیدا کرنے والی بن گئی۔
>
> وہ عرب — یہ محمدؐ — اور — صرف ایک سو سال کا عرصہ!
>
> کیا یہ انقلاب ایسا ہی نہیں جیسے ریت کے کسی سیاہ گمنام ٹیلے پر آسمان سے بجلی کی لہر آ گرے اور وہ ریت کا تودہ دیکھتے ہی دیکھتے ایک آتشگیر مادہ میں تبدیل ہو کر اس طرح بھک سے اڑ جائے کہ دہلی سے غرناطہ تک اس کے شعلوں کی لپیٹ میں آجائے؟
>
> نوع انسانی خشک نیستاں کی طرح ایک شرارہ کے انتظار میں تھی۔ وہ بجلی کا شرارہ اس بطلِ جلیل کی صورت میں آسمان سے آیا۔ اور تمام نوع انسانی کو شعلہ صفت بنا گیا۔

Thomas Carlyle Heroes And Hero Worship P.66

## مستقل انقلاب

یہ انقلاب ایک وقتی اور ہنگامی انقلاب نہیں تھا جو بگولے کی طرح اٹھے اور حباب کی طرح بیٹھ جائے۔ یہ ایک ایسا انقلاب تھا جس نے حیات کائنات کو متاثر کردیا۔ جس نے انسانی ضمیر کی گہرائیوں میں جگہ پکڑی جس نے دنیا کی نگاہوں کا زاویہ بدل دیا۔ وہ انقلاب جس نے جہالت کی تاریکیوں کو علم کی روشنی میں تبدیل کر دیا۔ جس نے "مذہب" جیسی خالصۃً جذباتی چیز کی بنیاد بصیرت پر رکھ دی اور عقل و دانش کی بے کیف و بے رنگ دنیا کو عشق کی مستیوں اور رنگینیوں سے معمور کردیا جس نے ایاز کو آئین غزنوی اور غزنوی کو آداب ایازی سکھا دیئے۔ وہ بانگِ درا جس نے انسانیت کے راہ گم کردہ قافلہ کو صحیح راستہ پر لگا دیا جس نے علم و عقل سے رہنمائی کے چراغ روشن اور ایمان و ایقان سے منزل کے نشان متعین کئے۔ غرضیکہ وہ انقلاب جس نے دنیا کو وہ سب کچھ دیا جس پر آج دنیا اس طرح فخر کر رہی ہے۔ اگر تاریخِ انسانیت میں یہ انقلاب نہ آتا تو دنیا آج مٹی کے گھروندے سے زیادہ کچھ نہ ہوتی اور انسان ابھی تک اپنے ارتقاء کی ابتدائی منازل میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا۔ سنیئے کہ خود یورپ کے ارباب علم و ہنر اس حقیقت کا اعتراف کیسے واضح الفاظ میں کرتے ہیں۔

> یورپ کی نشاۃ ثانیہ پندرھویں صدی میں نہیں ہوئی۔ بلکہ اس وقت ہوئی جب یورپ عربوں کے کلچر سے متاثر ہوا۔ یورپ کی خلقتِ جدیدہ کا گہوارہ اٹلی نہیں بلکہ اندلس ہے۔ ادھر روما کی تہذیب، گرتے گرتے بربریت کی حد تک پہنچ چکی تھی اور اُدھر دنیائے اسلام (بغداد، قرطبہ، قاہرہ) تہذیب و ذہنی تحریکات کے مرکز بن رہے تھے۔ انہی شہروں میں وہ نئی زندگی نمودار ہوئی جسے انسانی ارتقاء میں ایک نئے باب کا اضافہ کرنا تھا جس وقت یہ نئی تہذیب محسوس طور پر سامنے آئی دنیا حیات نو سے شناسا ہوئی۔ ...... اگر عرب نہ ہوتے تو یورپ کی تہذیب کا وجود عمل میں نہ آتا۔ ان کے بغیر یہ یقیناً اس خصوصیت کو حاصل نہ کر سکتا تھا جس نے اسے ارتقائی مراحل میں بلند ترین سطح پر لا کھڑا کیا ہے۔ مغربی کلچر میں کوئی ایسا شعبہ نہیں جس میں عربی ثقافت کا رنگ نہ جھلکتا ہو۔ لیکن ایک شعبہ تو ایسا ہے جس میں یہ اثر بالکل نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ اور یہی وہ شعبہ ہے جو درحقیقت عصر حاضر کی حقیقی قوت کا باعث اور اس کی فتوحات کا ذریعہ ہے۔ یعنی علم الاشیاء ـــــ سائنس کی روح! ہماری سائنس صرف اسی حد تک عربوں کی رہین منت نہیں کہ انہوں نے ہمیں عجیب و غریب نظریات و انکشافات سے روشناس کردیا۔ نہیں! بلکہ ہماری سائنس کا وجود ہی ان کا شرمندۂ احسان ہے۔ اسلام سے پہلے کی دنیا، درحقیقت زمانہ قبل از سائنس (Pre-Scientific) تھا۔ پندرھویں صدی تک یورپ ان ہی علوم و فنون کو اپنا تا رہا جو اسے مسلمانوں نے دیئے تھے۔ اس پر کوئی اضافہ نہ کرسکا...... جب اندلس میں تہذیب و ثقافت نے پھر تاریکیوں کی چادر اوڑھ لی تو یورپ میں وہ "جن" نمودار ہوا جسے اندلس کی سرزمین نے پیدا کیا تھا۔ یورپ کو زندگی صرف سائنس نے دی۔ اسلام کے گوناگوں اثرات اس حرارت کا موجب بنے۔
>
> (Briffault- Making Of Humanity)

اور یہ سب قرآن کی بدولت تھا۔

تحقیق جدید نے ہمیں اس نتیجہ پر پہنچایا ہے کہ یورپ کے علماء نشاۃ ثانیہ سے پہلے، یونانی فلسفہ۔ ریاضی۔ فلکیات اور دیگر علوم کے متعلق جو کچھ جانتے تھے ان کا منبع لاطینی کتابیں تھیں۔ اور ان کا سرچشمہ عربی علوم تھے۔ اور جس قوت نے عربوں کے دل میں ان علوم کا شوق پیدا کیا وہ قرآن تھا۔ نہ صرف فنی علوم ہی بلکہ، لسانیات۔ شاعری اور ادب کی دوسری شاخیں بھی قرآن کی اشاعت کے ساتھ ہی نمودار ہوئیں اور اس طرح جس ادبی تحریک کی ابتداء ہوئی اس سے علم و ہنر اور ذہانت و فطانت کے شاندار ثمرات ظہور میں آئے۔ (Margoliouth)

---

یہی وہ حقائق ہیں جن کے پیشِ نظر انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہو گیا کہ

تمام پیغمبروں اور مذہبی شخصیتوں میں محمدؐ سب سے زیادہ کامیاب ہیں۔

## مقام محمودیت

اور جب حقیقت یہ ہے تو پھر وہ اور کونسی شخصیت ہو سکتی ہے جسے مقام محمودیت پر جلوہ فرما ہونے کا حق پہنچ سکتا ہے۔ اس میں کسی جذباتی عقیدت کو دخل نہیں بلکہ یہ ایک واقعہ نفس الامری کا اظہار ہے کہ دنیائے انسانیت میں آج جو کچھ قابلِ حمد و ستائش اور درخورِ تحسین و تبریک نظر آتا ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ بالواسطہ یا بلا واسطہ ایک نسبت رکھتا ہے ذات محمد رسول اللہ سے۔ اور جو انسان چاہتا ہے کہ وہ درخورِ حمد و ستائش ہو جائے وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اسی کوشش میں ہے کہ اس راستہ پر چل نکلے جو سیرتِ محمدیہ نے دنیا میں دینِ متین کر کے دکھایا۔

آج محفلِ کائنات میں کوئی شمع جلوہ فگن نہیں جو اس سراجِ منیر سے کسبِ ضیاء نہ کر رہی ہو۔ اس تیرہ سو برس کی تاریخ پر نگاہ ڈالئے اور پھر دیکھئے کہ دنیا آہستہ آہستہ اسی نظام کی طرف آ رہی ہے یا نہیں جو محمد رسول اللہ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ نے اس دنیا میں متعین کر کے دکھایا تھا۔ دیکھئے کہ اس عرصہ میں جس قدر انقلابات دنیا میں آئے اور جنہیں دنیا نے نوعِ انسانی کے لئے موجبِ خیر و برکت قرار دیا۔ ان کا سرچشمہ کہاں تھا؟ دنیا نے ملوکیت کو لعنت قرار دیا اور نوعِ انسانی کی حریت اور آزادی کو مطابقِ شرفِ انسانیت سمجھا۔

## دنیا کس طرف جا رہی ہے؟

لیکن غور کیجئے کہ دنیا میں سب سے پہلے ملوکیت کو نظامِ انسانیت کے لئے فسادِ عظیم کس نے قرار دیا؟ اور کس نے انسانیت کو صحیح حریتِ فکر و عمل کا پیغام دیا۔

دنیا نے دینی پیشوائی (priesthood) کو انسانی استبداد کا مقدس نقاب بتایا۔ لیکن دیکھئے کہ سب سے پہلے کس نے اس نقاب کی دھجیاں فضائے عالم میں بکھیریں؟ اور کس نے واضح الفاظ میں اعلان کیا کہ خدا اور بندے کے درمیان کوئی دوسری قوت حائل نہیں ہو سکتی۔

دنیا نے غلامی کو جسدِ انسانیت کے لئے جذام قرار دیا۔ لیکن سوچئے کہ سب سے پہلے کس نے غلامی کو جرمِ عظیم قرار دیا اور ان تمام راہوں کو بند کر دیا جن سے یہ جراثیم داخل ہوا کرتے تھے؟ آج دنیا ذات پات کی تمیز کو انسانیت کی ترقی کی راہ میں سنگِ گراں محسوس کر رہی ہے

اور ہندوستان میں، ویدوں اور شاستروں کی تعلیم کے علی الرغم اس کے استیصال کی کوششیں جاری ہیں۔ لیکن غور کیجئے کہ دنیا میں سب سے پہلے کس نے یہ اعلان کیا کہ تمام نوعِ انسانی کی تخلیق نفسِ واحدہ سے ہوئی ہے اور پیدائش کے اعتبار سے کسی انسان کو کسی دوسرے انسان پر کوئی فوقیت یا افضلیت نہیں۔ عزت و تکریم کا معیار، انسانی سیرت کی بلندی ہے۔ نسلی تفوق نہیں۔

آج دنیا انسانوں کی جغرافیائی اور نسلی یا لسانی تقسیم (وطنیت، نیشنلزم) میں جہنم کی آگ محسوس کر رہی ہے۔ لیکن دیکھئے کہ وہ کون تھا جس نے سب سے پہلے حبش کے غلام اور قریشِ مکہ کے نجیب الطرفین سردار کو ایک قوم کے افراد بنا کر عملاً ان غیر فطری حدود و قیود کو مٹایا۔

آج دنیا نوعِ انسانی کے امن و سلامتی کا خواب تمام انسانوں کے لئے ایک نظام کی شکل میں دیکھ رہی ہے۔ لیکن سوچئے کہ وہ کون تھا جس نے سب سے پہلے آواز دی کہ تمام نوعِ انسانی ایک امتِ واحدہ ہے۔ اس لئے اسے ایک ہی نظام کے رشتہ میں منسلک ہونا چاہیئے۔

آج دنیا سرمایہ داری کے نظامِ معیشت کو موجودہ عالمگیر مصائب و نوائب کا بنیادی سبب قرار دے رہی ہے۔ لیکن دیکھئے کہ تاریخِ انسانیت میں سب سے پہلے اس مردود نظام کے خلاف کس نے صدائے احتجاج بلند کی۔ وہ کون تھا جس نے احتکار و اکتناز کو بہت بڑا جرم قرار دیا۔ زمین پر انفرادی ملکیت کو ناجائز ٹھہرایا۔ دولت کو امراء کے طبقہ میں گردش کرتے رہنے سے روکا اور انسان کی جائز ضروریات کے بعد، جو کچھ باقی بچے اسے نظامِ اجتماعیہ کی امانت قرار دیا اور اس نظام کو ان تمام انسانوں کی ضروریاتِ زندگی کا ذمہ دار ٹھہرایا جو اس کے حیطۂ اثر میں ہوں۔

آج دنیا میں قیامِ امن کا واحد ذریعہ یہی سوچا جا رہا ہے کہ کوئی ایسی جماعت موجود ہونی چاہیئے جو اقوامِ عالم کے متنازعہ فیہ معاملات میں حکم کا کام دے اور جس کے فیصلوں سے سرتابی کی مجال کسی کو نہ ہو۔ لیکن تاریخِ انسانی سے پوچھئے کہ وہ کون تھا جس نے سب سے پہلے یہ تخیل دنیا کو دیا اور ایک "اُمتِ وسطیٰ" کو نوعِ انسانی کے لئے امن و مسرت کا ضامن ٹھہرایا۔

آج استقرائی علم کو نوعِ انسانی کے لئے احسانِ عظیم تصور کیا جاتا ہے کہ سائنس کے یہ تمام انکشافات و اختراعات اور علوم انسان کے دیگر شعبوں میں سب فروغ و ارتقاع اسی کا رہینِ کرم ہے۔ لیکن پوچھئے اربابِ علم و فن سے کہ ذہنِ انسانی کو سب سے پہلے استقرائی علم سے کس نے روشناس کرایا۔ اور کس نے اسے عملاً رائج کیا؟

عائلی زندگی میں آج طبقۂ نسواں کے حقوق و واجبات پر اس قدر زور دیا جا رہا ہے لیکن سوچئے کہ وہ کون تھا جس نے سب سے پہلے ان کے اخلاق و واجبات کی طرف دنیا کو متوجہ کیا اور انہیں صنفِ زندگی میں مردوں کے دوش بدوش لا کھڑا کیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان ہر دو اصناف کے فطری وظائفِ حیات کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیا۔

آپ ان سوالات کو ایک ایک کر کے سامنے لاتے جائیے اور پھر عقیدتمندانہ نگاہ سے نہیں بلکہ خالصۃً غیر جانبدارانہ انداز سے خالی الذہن ہو کر تاریخ کا مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ انسان کی داخلی اور خارجی دنیا میں جس قدر بھی انقلابات آئے ہیں جن کے نتائج

تعمیر انسانیت کے لئے مدد و معاون ثابت ہوئے ہیں کیا ان کا سرچشمہ وہی تعلیم نہیں جو محمد رسول اللہ نے تیرہ سو سال پہلے دنیا کو دی تھی اور جو آج تک دنیا میں محفوظ چلی آرہی ہے؛ یہ ایک خالص علمی سوال ہے۔ علمی انداز سے اس کا جواب حاصل کیجئے اور پھر دیکھئے کہ آپ کس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ جب آپ اس نگاہ سے رسالت محمدیہ کا مطالعہ کریں گے تو آپ پر یہ حقیقت بے نقاب ہو جائے گی کہ یہ رسالت

**حد فاصل** نوع انسانی کی تاریخ میں ایک حد فاصل ہے جو اس سے پہلے اور بعد کے زمانہ میں نمایاں امتیاز قائم کرنے کے لئے کھڑی ہے۔ اس رسالت سے نوع انسانی کو ایک نیا پیغام ملا جس نے شرف انسانیت کی تمام راہوں کو ایک ایک کرکے کھول دیا۔ یہ وہ پیغام ہے جو ضمیر انسانی کی انتہائی گہرائیوں سے ابھرتا ہے اور زندگی کے تمام شعبوں پر چھاجاتا ہے۔

اب دنیا کو نہ کسی نئے آئین کی ضرورت ہے نہ کسی دوسرے آئین لانے والے (رسول) کی؛ نوع انسانی کی تمام مشکلات کا حل اسی آئین کے اتباع میں ہے۔ اس لئے کہ سفر زندگی میں یہ آئین اس راہ کی طرف رہ نمائی کرتا ہے جو سب سے سیدھی اور محکم راہ ہے اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ۔ گوئٹے کے الفاظ میں۔

> اسلام کی تعلیم کسی مقام پر بھی ناکام ثابت نہیں ہوسکتی۔ ہم اپنے تمام نظامہائے تمدن کے باوجود اس کی حدود سے آگے نہیں جاسکتے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی انسان بھی اس سے آگے نہیں جاسکتا۔
>
> (Goethe to Eckermann)

انسانیت کے معراج کبریٰ اور شرف اعلیٰ کا یہی وہ مقام بلند ہے جس کے پیش نظر خدا اور ملائکہ اس ذاتِ گرامی کو مستحق ہزار تحسین و آفریں قرار دیتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا
تَسْلِیْمًا (۳۳/۵۶)

(معراج انسانیت)


# اسلامی معاشرت

مسلمانوں کی روزمرہ زندگی کے لئے قرآن کے ارشادات۔ بالخصوص عورتوں بچوں اور کم پڑھے لکھے لوگوں کے لئے۔ اس سے بہتر کتاب آپ کو نہیں ملے گی

قیمت دو روپے

ملنے کا پتہ:- ناظم ادارہ طلوع اسلام ۲۵/بی گلبرگ کالونی۔ لاہور

# شعلۂ مستور

از پرویز

قیمت -/6

حضرات انبیاء کرام کی دعوت ۔ ملوکیت ۔ سرمایہ داری ۔۔۔
پیشوائیت ۔ فرعونیت ۔ ہر لوٹ کی غلامی اور ہر قسم کے استبداد کے خلاف اعلانِ جنگ ہوتی تھی۔
وہ باطل کی ان قوتوں پر برق خاطف بن کر گرتی اور انہیں خس و خاشاک بنا کر رکھ دیتی۔ حضرت عیسیٰ کی
دعوت بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی لیکن انسانی تحریف نے آپ کو ایک تقریباً بے نوا کی حیثیت دیدی جس کی پکار یہ ہو کہ کسی
طاغوتی قوت کا مقابلہ مت کرو اور جو تیرے رخسار پر تھپڑ مارے اسے اپنا دوسرا بھی آگے کر دو۔
محترم پرویز صاحب کی تحقیق نے، قرآن اور تاریخ کی روشنی میں، آپ کی تحریک کے ان تمام پردوں کو چاک کر کے جناب مسیح کی
زندگی کی حقیقی تصویر پیش کی ہے جس میں آپ کی پیدائش ۔ ابتدائی زندگی ۔ دعوت ۔ آپ کے خلاف سازش ۔ ہجرت وغیرہ کے واقعات
کے علاوہ عیسائیت کے غلط عقائد ۔ الوہیت ۔ ابنیت ۔ کفارہ وغیرہ پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔
آخر میں تمام انبیائے سابقہ اور امم گذشتہ کے احوال و ظروف پر نگاہ بازگشت ڈالی گئی ہے۔

**یہ کتاب معارف القرآن جلد سوم کے متعلقہ حصّہ کا جدید ایڈیشن ہے جسے مصنف کی نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے**

ضخامت قریب پونے تین سو صفحات ۔ قیمت مجلد -/6

**ناظم ادارہ طلوع اسلام 25/B گلبرگ کالونی ۔ لاہور**

# قرآنی فکر کو اُجاگر کرنیوالی کتابیں

مُصنّفہ علامہ غلام احمد پرویز

## سلیم کے نام خطوط

صفحات ۴۰۸ تقطیع درمیانہ (۲۲ × ۱۸) مجلد مع گرد پوش۔ قیمت چھ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

اسلام کے متعلق نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کے دل میں جو شکوک و شبہات اور اعتراضات پیدا ہوتے ہیں اُن کا مدلل جواب اکیس خطوں میں۔ زبان سادہ شگفتہ اور دل نشیں۔

ہماری نمازیں۔ روزے۔ اجتماعات۔ شادیاں۔ تہذیب وغیرہ۔ طلاق کا قرآنی مفہوم۔ نظام ربوبیت کیونزم اور اسلام۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ۔ مقام نبوت و رسالت۔ انسانی فطرت کچھ نہیں۔ انسانی صلاحیتیں اور اخلاق۔ خدا کا تصور۔ آزادی کا صحیح مفہوم۔

## فردوس گم گشتہ

صفحات ۴۱۶۔ تقطیع درمیانہ (۲۲ × ۱۸) مجلد مع گرد پوش۔ قیمت چھ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

پرویز صاحب کے ۲۹ مضامین کا مجموعہ جو زندگی کے اہم حقائق پر مشتمل ہیں۔ مثلاً ایمان و عمل۔ عقائد مسلمان کی زندگی۔ عبادت۔ نجات۔ ثواب۔ زکوٰۃ۔ نیز عید الضحیٰ۔ عید الفطر۔ لیلۃ القدر اور معراج کی وضاحت۔

## اسباب زوال اُمت

صفحات ۱۷۶ تقطیع چھوٹی (۳۰ × ۲۰ / ۱۶) مجلد مع گرد پوش۔ قیمت دو روپے (علاوہ محصول ڈاک)

آدم جنت میں تھا۔ ابلیس کا فریب کھا کر جنت سے نکالا گیا۔ کیا وہ ــــ دوبارہ جنت میں جا سکتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ہاں ــــ اسلام دین یعنی نظام زندگی ہے ــــ مذہب رسومات کے مجموعہ کا نام ہے۔ دین کو مذہب بنا دینا باعث زوالِ اُمت ہے۔ اُمت کا عروج موجودہ مذہب کی جگہ دین کے قیام سے ہو سکتا ہے۔

اسباب زوالِ اُمت کا یہ تجزیہ مسلمانوں کی تاریخ میں پہلی کامیاب کوشش ہے۔

اس پتہ سے منگوائیے

**ناظم ادارہ طلوعِ اسلام 25/B گلبرگ کالونی ــــ لاہور**

# مجلسِ اقبال

## مثنوی رموزِ بیخودی

### درمعنیٔ ایں کہ پختگیٔ سیرتِ ملیہ از اتباعِ آئینِ الٰہیہ است

گذشتہ ابواب میں یہ حقیقت سامنے آئی تھی کہ ملت کی شیرازہ بندی آئین سے ہوتی ہے اور ملتِ محمدیہ کا آئین قرآن ہے۔ لہٰذا اس امت کی وحدت اور استحکام کی اس کے سوائے اور کوئی صورت نہیں کہ یہ کتاب اللہ کے ساتھ متمسک رہے۔

اس امت کو قرآن سے بیگانہ بنانے کے لئے جو سازشیں ہوئیں ان میں ایک یہ تھی کہ وضعی روایات کی رو سے آیاتِ قرآنی کی دوراز کار تفسیر کر دی اور اس تفسیر کو منسوب کر دیا نبی اکرمؐ کی طرف۔ نتیجہ اس کا یہ کہ (i) اُمت غیر قرآنی تعلیم کو "اللہ اور رسول" کے ارشادات سمجھنے لگ گئی اور (ii) قرآن میں غور و فکر کے تمام دروازے بند ہو گئے۔

دوسری سازش اس سے بھی زیادہ خطرناک اور گہری تھی۔ اس کی رو سے یہ عقیدہ پیدا کر دیا گیا کہ عربی زبان کی رو سے قرآن کے الفاظ کا جو مفہوم لیا جاتا ہے وہ درحقیقت قرآن کا مفہوم نہیں۔ قرآن کا حقیقی مفہوم ان الفاظ کے باطن میں ہے اور اس کا علم "اہل اللہ" کے ہاں سینہ بسینہ منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ اس کا نام طریقت یا تصوف ہے جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے (اپنے ایک خط میں لکھا ہے) کسی کتاب کو عملاً منسوخ کرنے کا آسان طریق یہ ہے کہ اس کے الفاظ کو باطنی معنی پہنا دیئے جائیں۔ تصوف نے ہمارے ہاں یہی کیا۔ قرآن عملاً منسوخ ہو گیا اور دین، ایک اجتماعی نظام کے بجائے انفرادی نجات کا ذریعہ قرار پا گیا۔ گذشتہ باب میں علامہ اقبال نے "خطیبِ دہلی" اور "منیف و شافعی و مرسل" کی طرف اشارہ کر کے، تفسیر بالروایات کی سازش کو نمایاں کیا تھا۔ زیرِ نظر باب میں "شریعت کے باطنی مفہوم" کے عقیدے کو سامنے لا کر، تصوف کی سازش کو اجاگر کیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

در شریعت معنئ دیگر مجو　　غیرِ ضو در باطنِ گوہر مجو
ایں گہر را خود خدا گوہر گراست　　ظاہرش گوہر بطونش گوہر است

قرآنی احکام (قوانین) سے مفہوم وہی ہے جو آیاتِ قرآنی کے الفاظ سے متعین ہوتا ہے۔ ان الفاظ کے باطنی معانی مت تلاش کرو۔ آیاتِ قرآنی کے ظاہر و باطن میں کچھ فرق نہیں۔ جو کچھ ان کا ظاہر ہے وہی ان کا باطن ہے۔ خدا نے قرآن کو نور (روشنی) قرار دیا ہے اور روشنی کا خاصہ یہ ہے کہ وہ اندر اور باہر سے یکساں ہوتی ہے۔ یہ وہ گوہر ہے جس میں درخشندگی کے سوا کچھ اور نہیں۔ گوہر اوپر سے بھی گوہر ہوتا ہے اور اندر سے بھی گوہر۔ جو یہ کہتا ہے کہ جو کچھ اس کی سطح پر نظر آتا ہے وہ اس سے مختلف ہے جو اس کے اندر ہے وہ اسے گوہرِ خالص اور لعلِ ناب نہیں سمجھتا۔ لہذا

علمِ حق غیر از شریعت ہیچ نیست
اصلِ سُنّت جز محبت ہیچ نیست

حقیقت کا علم شریعت کے سوا کچھ نہیں۔ لہذا شریعت، طریقت، معرفت، حقیقت وغیرہ کی تفریق و تمیز انسانوں کی خود ساختہ ہے۔ قرآن قوانینِ خداوندی کا مجموعہ ہے۔ اسی کو شریعت کہتے ہیں اور اسی کا اتباع مقصودِ دین ہے۔ رسول اللہؐ نے بھی انہی قوانین پر عمل کیا۔ اس لئے اتباعِ سنت کے معنی بھی اتباعِ احکامِ قرآنیہ ہے۔ یہی خدا اور رسول سے محبت کا مفہوم ہے۔

فرد را شرع است مرقاتِ یقیں
پختہ تر از وے مقاماتِ یقیں

شریعت (قوانینِ خداوندی) ہی وہ زینہ ہے جس سے فرد یقین کی بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے۔ اس سے یقین کے مختلف مراحل طے ہوتے اور ان میں پختگی آتی ہے۔

قوانینِ خداوندی کی صداقت اور ان کی محکمیت پر یقین کا ایک طریق قرآن نے یہ بتایا ہے کہ وہ افراد جو ان کے منجانب اللہ ہونے پر ایمان لائیں، ایک معاشرہ قائم کریں جس میں ان قوانین کو عملاً نافذ کیا جائے۔ ان قوانین کے نتائج خود بخود بتا دیں گے کہ جو دعاوی قرآن نے پیش کئے ہیں وہ کس قدر حق و صداقت پر مبنی ہیں۔ اس طرح افراد کا یقین پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا جائے گا۔

ملت از آئینِ حق گیرد نظام
از نظامِ محکمے گیرد دوام

ملت کا نظام آئینِ خداوندی کی رُو سے متشکل ہوتا اور قائم رہتا ہے اور اسی کے استحکام سے اسے دوام حاصل ہوتا ہے۔ لہذا کوئی ایسا تصورِ حیات جس سے دین کا مقصود، فرد کی روحانی ترقی رہ جائے (جسے خلوت کدوں میں وظائف اور مراقبات کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے) دین کو اس کی اصل و بنیاد سے اکھیڑنے اور ملت کا شیرازہ منتشر کر دینے کے مترادف ہے۔ دین ایک نظام کا نام ہے اور یہی وہ نظام ہے جس سے

قدرت اندر علم او پیدا است
ہم عصا و ہم ید بیضا ستے

دنیا میں عدل عمرانی کے قیام کے لئے دو چیزیں لاینفک ہیں۔ ایک علم دوسرے قوت۔ علم کے معنی یہ ہیں کہ معاشرہ کے قوانین وحی خداوندی کی روشنی میں عقل و بصیرت پر مبنی ہوں تاکہ ہر معاملہ کا فیصلہ دلائل و براہین کی رُو سے ہو دھاندلی سے نہ ہو۔ اور قوت کی ضرورت اس لئے ہے کہ جو سرکش طبائع، علم و بصیرت کی رو سے قوانین کا اتباع نہ کریں اور کمزور انسانوں پر ظلم و ستم سے باز نہ آئیں، انھیں قوت کے ذریعے روکا جائے۔ قصۂ حضرت موسیٰ میں "ید بیضا" سے مراد علم و بصیرت پر مبنی دلائل ہیں اور "عصا" علامت (Symbol) ہے۔ قانون کی قوتِ نافذہ کا جو معاشرہ دین کی رو سے قائم ہوتا ہے اس میں "ید بیضا اور عصا" دونوں کا امتزاج ہوتا ہے۔ اس میں دلائل و براہین بھی ہوتے ہیں اور قوتِ نافذہ بھی لیکن تصوف میں قوت کا تصور تک بھی حرام ہے۔ اور علم سے بھی دلائل و براہین مراد نہیں ہوتے اس میں مسلک یہ ہوتا ہے کہ

بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

لہذا اس میں نہ ید بیضا ہوتا ہے نہ ضرب کلیمی۔ بات صاف اور واضح یہی ہے کہ طریقت، معرفت، حقیقت، سب طلسم افلاطون کے ذہنی پیچ و خم ہیں۔ اصل شے قانون اور اس کی اطاعت ہے۔

با تو گویم سرِ اسلام است شرع
شرع آغاز است و انجام است شرع

اسلام کا راز ہی قانون کی اطاعت میں ہے۔ اوّل بھی قانونِ خداوندی۔ آخر بھی قانونِ خداوندی۔ یہ نہیں کہ شریعت کا اتباع مجاز کا راستہ ہے جو حقیقت کی طرف لے جاتا ہے۔ جب انسان منزلِ حقیقت تک پہنچ جاتا ہے تو پھر اس راستے کی ضرورت نہیں رہتی۔

اے کہ باشی حکمتِ دیں را امیں | با تو گویم نکتۂ شرعِ مبیں
چوں کسے گردد مزاحم بے سبب | با مسلماں در ادائے مستحب
مستحب را فرض گردانیدہ اند | زندگی را عین قدرت دیدہ اند

قوانینِ شریعت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ کچھ احکام ایسے ہیں جنھیں بہرحال و بہر کیف ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ انھیں فرائض کہتے ہیں۔ بعض احکام ایسے بھی ہوتے ہیں کہ انھیں ادا کر لیا جائے تو اچھا ہوتا ہے نہ کیا جائے تو کوئی جرم نہیں ہوتا۔ لیکن اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ دین کی مخالف قوت، کسی مستحب کی ادائیگی میں مزاحم ہو اور مسلمان کو اس سے جبراً روکے تو اس وقت وہ مستحب عین فرض ہو جاتا ہے اور اس کی ادائیگی ضروری ہو جاتی ہے۔ لہذا دین پر چلنے کے لئے، ملت کے پاس قوت کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

لیکن، یہ قوت مظلوم کی حمایت کے لئے ہونی چاہیئے کمزوروں کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے نہیں۔

روزِ ہیجا لشکرِ اعدا اگر ۔۔۔ برگمانِ صلح گردد بے خطر
گیرد آساں روزگارِ خویش را ۔۔۔ بشکند حصن و حصارِ خویش را
تانگیرد بازکار او نظام ۔۔۔ تاختن بر کشورش آمد حرام

اگر میدانِ جنگ میں دشمن، یہ سمجھ کر کہ صلح ہوگئی ہے، (حالانکہ درحقیقت ایسا نہ ہوا ہو) تمہاری طرف سے مطمئن ہو جائے اور اپنے قلعوں کے دروازے کھول دے۔ تو اُس وقت (اگرچہ ان سے تمہاری صلح نہیں ہوئی) ان پر حملہ کرنا قطعاً جائز نہیں ہوگا۔ تاوقتیکہ وہ پھر پورے نظم و ضبط سے صف آراء نہ ہو جائیں یہ اس لئے کہ کمزور دشمن پر حملہ کر کے انھیں مغلوب کر لینا کوئی شیوۂ مردانگی ہے۔

سرِ ایں فرمانِ حق دانی کہ چیست
زیستن اندر خطرہا زندگی است

زندگی کشمکش کا نام ہے۔ کشمکشِ حیات سے فرار (ESCAPISM) مومن کا شیوہ نہیں۔ اس کے لئے تو حکم ہی یہ ہے کہ

اگر خواہی حیات اندر خطر زی

اس کے برعکس، تصوف کی خانقاہیت، دنیا کی کشمکش سے منہ موڑ کر عافیت کے گوشوں میں سر چھپا کر بیٹھ جانے کا نام "روحانیت" رکھتی اور اس فرار اور فریب کو "اطمینانِ قلب" سے تعبیر کرتی ہے۔ یہ اسلام نہیں

شرع می خواہد کہ چوں آئی بجنگ
شعلہ گردی واشگافی کامِ سنگ

وہ تصوف کا ارشاد ہے۔ اور شریعت کا حکم یہ ہے کہ دشمن کے مقابلہ کے لئے شمشیر بکف میدانِ جنگ میں نکل آؤ۔ ہر حفتِ جان پر شعلے کی طرح لپکو اور بجلی کی طرح ہنفروں کا سینہ شق کرتے چلے جاؤ۔

آزماید قوتِ بازوئے تو ۔۔۔ می نہد الوند پیشِ روئے تو
باز گوید سرمہ ساز الوند را ۔۔۔ از تفِ خنجر گداز الوند را

شریعت تمہارے راستے میں پہاڑ کھڑا کر دیتی ہے کہ تم اپنی قوتِ بازو سے اُسے پیس کر سرمہ بنا دو اس طرح وہ کارزارِ حیات میں تمہاری قوتوں کی آزمائش کرتی رہتی ہے۔ وہ تمہیں ایسے دشمنوں سے بھڑاتی اور لڑاتی ہے جن کی کلائیاں فولاد کی ہوں۔ اس لئے کہ

نیست میغِ ناتوانے لاغرے
درخورِ سرپنجۂ شیرِ نرے

شیر کے شایانِ شان نہیں کہ وہ کسی مریل سی بھینس کا شکار کرے۔

بازچوں باصعوہ خوگر می شود
از شکارِ خود زبوں تر می شود

جب باز (شاہین)، مولوں کا شکار کرنے لگ جائے تو اس کی اپنی قوت اس قدر کم ہونی شروع ہو جاتی ہے کہ وہ کچھ عرصہ کے بعد مولوں سے بھی زیادہ کمزور ہو جاتا ہے۔

شارعِ آئیں شناسِ خوب و زشت، | بہر تو ایں نسخۂ قدرت نوشت
از عمل آہن عصب می سازدت | جائے خوبے در جہاں اندازدت

شارع، جو خیر و شر اور زشت و خوب کے فلسفہ سے واقف ہے، اس نے قرآن کا آئین دیا ہی اس لئے ہے کہ تم میں قوت پیدا ہو۔ تم اس کے پروگرام پر عمل پیرا ہو تو تمہارے اعصاب فولاد کے بن جائیں اور اس طرح تم دنیا میں اُمّتِ وسطیٰ (بین الاقوامی حیثیت کی مالک قوم) بن جاؤ۔ یہی تمہارا صحیح مقام تھا اور یہ مقام دین کی رو سے حاصل کردہ قوت سے مل سکتا تھا۔

خستہ باشی استوارت می کند
پختہ مثلِ کوہسارت می کند

قرآنی نظام میں یہ خصوصیت ہے کہ اگر تم کمزور ہو تو وہ تمہیں قوت عطا کر دے اور ریت کے تودے کو محکم پہاڑ میں تبدیل کر دے۔

ہست دینِ مصطفےٰ دینِ حیات
شرعِ او تفسیرِ آئینِ حیات

جو دین نبی اکرمؐ کی وساطت سے دنیا کو ملا اور جسے حضورؐ نے عملاً متشکل فرمایا، وہ حیات بخش نظامِ زندگی ہے۔ اس دین کی شریعت (ضابطۂ قوانین) آئینِ زندگی کی تفسیر ہے۔

گر زمینی آسماں سازد ترا
آنچہ حق می خواہد آں سازد ترا

اگر تو زمین کی پستیوں میں گر چکا ہے تو وہ تجھے وہاں سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں پر لے جائے گا۔ مختصراً، یہ دین تجھے وہ کچھ بنا دے گا جو خدا چاہتا تھا کہ آدم بن جائے۔ یعنی آدم کو جس منزل تک پہنچانا اور جو کچھ بنانا، مشیتِ خداوندی کا مقصود تھا، قرآن کا نظام انسان کو وہ کچھ بنا دیتا اور اس منزل تک پہنچا دیتا ہے۔

صیقلش آئینہ سازد سنگ را
از دلِ آہن رباید زنگ را

قرآن کا صیقل، پتھر کو آئینہ بنا دیتا ہے، اور یہ تبدیلی صرف اس کی سطح پر نہیں ہوتی۔ وہ لوہے کے قلب سے زنگ اتار دیتا ہے۔

تاشعارِ مصطفےٰ از دست رفت

قوم را رمزِ بقا از دست رفت

جب امتِ مسلمہ نے اس دین کو اپنی زندگی کا آئین بنایا تو وہ دنیا کی زندہ ترین قوم بن گئی۔ لیکن جب اس نے اس راستہ کو چھوڑ دیا تو بقا اور دوام سے محروم ہو گئی۔

یہ کس طرح ہوا؟ سنئے!

آں نہالِ سربلند و استوار — مسلمِ صحرائیِ اشتر سوار

پائے تا در وادیِ بطحا گرفت — تربیت از گرمیِ صحرا گرفت

جنہوں نے اسلام کو اپنی زندگی کا شعار بنایا۔ تو ان کا نخلِ حیات، وادیِ بطحا کی حرارت افزا فضاؤں میں آسمان کی بلندیوں تک پہنچ گیا۔ نہایت تنومند و توانا۔ محکم اور استوار۔ لیکن

آں چناں کاہید از بادِ عجم

ہم چو نے گردید از بادِ عجم

جب وہی عرب، عجمی تہذیب و تمدن اور مجوسی نظریات و تصوراتِ حیات سے متاثر ہو گئے تو ان کی ساری قوت جاتی رہی اور وہ نے کی طرح ایسے کمزور و ناتواں ہو گئے کہ ہوا کا ہلکا سا جھونکا ان کی کمر جھکا دے

آں کہ کشتے شیر را چوں گوسفند

گشت از پامالِ مورے دردمند

جس مسلمان کی جرأتوں کی حالت یہ تھی کہ وہ شیر کو اس طرح مار دیتا تھا گویا وہ بھیڑ کا بچہ ہے عجمی تصوف نے اس کی کیفیت ایسی کر دی کہ اگر کوئی چیونٹی اس کے پاؤں تلے آکر مل جائے تو اس کا دل خون ہو جائے۔

آنکہ از تکبیرِ او سنگ آب گشت

از صفیرِ بلبلے بیتاب گشت

جس کی حالت یہ تھی کہ اس کی تکبیر کی پرشکوہ آواز سے پتھر کا جگر پانی ہو جاتا تھا۔ اب اس کی کیفیت یہ ہو گئی کہ وہ بلبل کی آواز سے بیتاب ہو جاتا تھا۔

آنکہ عزمش کوہ را کاہے شمرد

با توکل دست و پائے خود سپرد

جس کے عزمِ راسخ کے سامنے پہاڑ، پرِ کاہ کی طرح نظر آتے تھے۔ اب اس کی حالت یہ ہو گئی کہ وہ اپنے ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ گیا اور اس بے عملی کا نام توکل رکھ کر خود فریبی میں مبتلا ہو گیا۔

آنکہ ضربش گردنِ اعدا شکست
قلب خویش از ضربہائے سینہ خست

جس کی ضرب کاری، دشمنوں کی گردن توڑ دیتی تھی۔ اب اس نے "اللہ ہو" کی ضربوں سے خود اپنا دل توڑنا شروع کر دیا۔

آنکہ گامش نقشِ صد ہنگامہ بست
پائے اندر گوشۂ عزلت شکست

جس کے قدموں نے دنیا میں سینکڑوں ہنگامے پیدا کر دیئے وہ اب پاؤں توڑ کر خانقاہ کے خلوتکدوں میں "سلوک کی منزلیں" طے کرنے میں مست ہو گیا۔

آنکہ فرمانش جہاں را ناگزیر | بر درش اسکندر و دارا فقیر
کوششِ او با قناعت ساز کرد | تا بہ کشکولِ گدائی ناز کرد

جس کے حکم کے سامنے ساری دنیا جھکتی تھی۔ اسکندر و دارا جس کے دروازے کے بھکاری تھے۔ اسے اب گداگری کے ٹکڑوں پر ناز ہے اور اس کا نام اس نے قناعت رکھ کر اپنے آپ کو فریب دے لیا ہے کہ "اللہ والوں کا یہی انداز ہوتا ہے"؛

شیخ احمد سیدِ گردوں جناب | کاسب نور از ضیارش آفتاب
گل کہ می پوشد مزارِ پاک او | لاالٰہ گویاں دمد از خاکِ او
با مریدے گفت اے جانِ پدر | از خیالاتِ عجم باید حذر

حضرت شیخ احمد رفاعیؒ نے اپنے ایک مرید سے بڑی پتے کی بات کہی اور وہ یہ کہ اسے خیالاتِ عجم سے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ

زانکہ فکرش گرچہ از گردوں گذشت
از حدِ دینِ نبی بیروں گذشت

عجم کا فلسفہ خواہ آسمان سے بھی اونچا کیوں نہ ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ دینِ محمدی کی حدود سے تجاوز کر چکا ہے۔ لہٰذا وہ فلسفہ قطعاً اس قابل نہیں کہ قوم مسلم اسے اپنا شعارِ زندگی بنائے۔

اے برادر ایں نصیحت گوش کن | پندِ آں آقائے ملت گوش کن
قلب را زیں حرفِ حق گرداں قوی
با عرب در ساز تا مسلم شوی

لہٰذا اس نصیحت کو دل کے کانوں سے سنو کہ عجمی تصوراتِ زندگی سے یکسر ہٹ کر، اپنا تعلق "عرب" سے قائم کرو۔

اس مقام پر اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ علامہ اقبالؒ کے ہاں "عجم اور عرب" کی اصطلاحات عام طور پر استعمال ہوتی ہیں۔

بلکہ یوں کہیے کہ وہ ان اصطلاحات کے موجد ہیں۔ ان دو لفظوں سے مراد دو ملک (ایران اور عرب) ہیں نہ ہی ان میں بسنے والی قومیں یا نسلیں ہیں۔ علامہ کے ہاں "عرب" علامت (Symbol) ہے اس خالص۔ بلا آمیزش دین کی جو قرآن کی رُو سے ملا اور جو سرزمینِ عرب میں متشکل ہوا۔ اور عجم سے مراد ہیں وہ غیر قرآنی (بالخصوص مجوسی) تصوراتِ حیات جو عین اسلام بن کر مسلمانوں کے خون تک میں حلول کر گئے۔ چونکہ یہ تصورات، اہلِ عجم (بالخصوص ایرانیوں) کے مسلمان ہونے کے بعد (اور ان کی وجہ سے) مسلمانوں میں پھیلے تھے اس لئے علامہ انھیں عجمی اسلام سے تعبیر کرتے ہیں۔ طلوعِ اسلام بھی "عجمی سازش" کا ذکر کرتا ہے تو اس سے یہی مراد ہوتی ہے۔ یعنی وہ سازش جس کی رُو سے مسلمانوں کو قرآن سے بیگانہ بنا کر، انھیں غیر قرآنی افکار و خیالات کا علمبردار بنایا گیا۔ جب تک مسلمان ان افکار، تصورات کو جھٹک کر الگ نہیں کرتا، قرآن کا دیا ہوا دین اس کے ہاں کبھی بار نہیں پا سکتا۔


# اسلامی معاشرت

از پرویز

مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی کے لئے قرآن کے ارشادات۔ عورتوں۔ بچوں اور کم پڑھے لکھے لوگوں کے لئے بہترین کتاب ——— قیمت دو روپے

**اسبابِ زوالِ اُمت**

مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہماری نکبت و زوال کے اسباب کیا ہیں اور ان کا علاج کیا؟

قیمت ——— دو روپے

# نوادرات

(از علامہ اسلم جیراج پوری)

علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ ۴۰۰ صفحات قیمت چار روپے

ملنے کا پتہ

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام ۱۵/۲۵ گلبرگ کالونی لاہور

# قرآن مجید میں غور و فکر کی دعوت

(محترم عبدالرحمٰن صاحب طاہر سورتی)

علامہ موسیٰ جاراللہ مرحوم روسی انقلاب کے بعد وہاں سے جلا وطن کر دیئے گئے تھے مرحوم علوم دینیہ و عربیہ کے جید عالم تھے ان کا مطالعہ نہایت وسیع تھا بالخصوص قرآنی علوم پر وہ بڑی گہری نظر رکھتے تھے، ان کی زبان عربی ہو گئی تھی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اپنی تحریریں میں کوئی ایسا مادہ استعمال نہیں کرتا جو قرآن مجید میں نہ ہو۔

آپ تقلید سے بیزار اور فکر و تحقیق کے علمبردار تھے، قرآن مجید کے متعلق آپ کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے دعوتِ غور و فکر ہے، اور ہر زمانہ کا انسان اس سے اپنی کوششوں اور صلاحیتوں کے مطابق استفادہ کرتا رہے گا، ہر زمانہ میں اس کے عجائبات آشکارا ہوتے رہیں گے جو پہلوں کی نظروں سے اوجھل رہے تھے۔

وہ خود بھی قرآنی آیات میں غور و فکر کرتے رہتے تھے اور دوسروں کو بھی قرآن میں غوطہ زنی کی دعوت دیتے تھے بہت سی ایسی باتیں آپ نے قرآن مجید سے پیش کیں جن سے متداولہ تفاسیر خاموش تھیں، آپ نے قرآن مجید کے متعلق مختلف علوم پر متعدد اہم تصانیف چھوڑی ہیں، زیر نظر مقالہ علامہ مرحوم کی ایک تصنیف "تَرْتِيْبُ السُّوَرِ الْكَرِيْمَة وَتَنَاسُبِهَا فِي النُّزُوْلِ وَ فِي الْمَصَاحِف" سے مرتب کیا گیا ہے۔

قارئین کی دلچسپی اور آسانی کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے بعض مقامات پر علامہ مرحوم کے معانی و مطالب کے ساتھ چند متداولہ تفاسیر و تراجم سے بھی ان مقامات کو واضح کر دیا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس طرح قرآن مجید کے معانی میں غور و فکر انسانوں کو نئے نئے راستے بتا سکتا ہے۔

علامہ موصوف لکھتے ہیں

**قرآن مجید میں تدبر کا طریقہ** | جو شخص قرآن مجید کا مطالعہ کرنے اور اس کے معانی و مطالب میں غور و فکر کرنے کا خواہشمند ہے

اس کے لئے پہلی چیز یہ لازم ہے کہ وہ اس سلسلہ میں نظم قرآن پر اکتفا کرے۔ اس کی پوری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ قرآن مجید کو سمجھنے میں وہ خود قرآن مجید کو رہبر و رہنما بنائے اور اس کے سوا تمام اثر انداز عوامل سے اپنی نگاہ پاک رکھے، ہر بیان اور ہر روایت اور تفسیر سے خود کو الگ کرے۔ اسی چیز کو مد نظر رکھتے ہوئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا تھا کہ وہ قرآن مجید میں کسی قسم کی کوئی روایت یا حدیث یا کوئی بیان یا تفسیری نوٹ شامل نہ کریں۔

## اللہ کی طرح اس کا کلام بھی غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْن ہے

قرآن مجید "عربی مبین" میں نازل ہوا ہے اس میں غور و تدبر کرنے کے لئے عربی زبان کی وسعتوں کو مد نظر رکھنا ہوگا۔ انسان کے لئے قرآن مجید کے مطالعہ میں جو رفیق ہو سکتا ہے وہ خود اس کے دل کا نور ہے لہذا قرآن مجید کے معانی و مطالب میں غور و فکر کرتے وقت اس رفیق (نور قلب) کو ساتھ رکھیئے، اور یاد رکھیئے کہ قرآن مجید دوسرے سہاروں اور تفسیروں سے بے نیاز و مستغنی ہے، وہ اللہ کی کتاب ہے، اللہ کا علم ہے، اللہ کا کلام ہے اور جس طرح اللہ کی ذات قائم بالذات ہے اور کسی دوسرے کی اسے ضرورت نہیں اسی طرح اس کا کلام بھی دوسروں کی ترجمانی کا محتاج نہیں۔

وَ مَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (۲۹)

جو کوشش کرتا ہے وہ خود اپنی ذات کے فائدے کے لئے کوشش کرتا ہے بلاشبہ اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

## قرآن فہمی میں سلف صالحین کا طریقہ

ہر زمانہ میں سلف صالحین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ انھوں نے قرآن مجید میں اجتہاد کیا ہے اور اس سے مسائل کا استنباط کیا ہے، اہل علم کا شیوہ کبھی بھی جمود، تعطل، خاموشی اور تقلید نہیں رہا ہے۔

## سلف صالحین کی اقتدار کا صحیح طریقہ

ہمیں سلف صالحین کا پورا پورا احترام ملحوظ رکھنا چاہیئے لیکن یہ اس حد تک نہ ہو کہ ہم صحیح طریقہ اور حق یعنی قرآن میں اجتہاد، غور و فکر اور اس سے مسائل کا استنباط چھوڑ بیٹھیں، ہمیں قرآن مجید اور عقل پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دینا چاہیئے۔ ہمارے لئے یہی بس ہے کہ ہمارا دین اسلام ہے۔ اور ہماری کتاب قرآن ہے اور عقل سے کام لینا ہمارا شعار ہے۔

جب کسی آیت کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ اس کے صحیح معانی یہ ہیں تو پھر ہمارا شیوہ یہ ہونا چاہیئے کہ اس پر عمل کر ڈالیں، اس وقت یہ نہیں دیکھنا چاہیئے کہ کس نے اس کی موافقت یا مخالفت کی ہے، جب ہمارے سامنے کسی چیز کی صحت کے دلائل واضح ہو جائیں تو ہمیں دوسروں کی کجی اور بے راہی پر حیرت و تعجب کا اظہار کرنا چاہیئے اور کسی کی مخالفت کرنے میں جبکہ حق اس کے ساتھ نہ ہو قطعاً کسی قسم کی جھجکاہٹ اور گھبراہٹ محسوس نہ کرنا چاہیئے۔ بہت ممکن ہے کہ بعد میں آنے والے کی رائے، اور عقل زیادہ صائب و محکم ہو کیونکہ اس کے زمانہ میں اصول نقد و درایت اور تمام علوم مدون ہو چکے ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے ہر ایک کو اس کی کوششوں میں آزاد اور ہر ایک کو اپنے اعمال کا ذمہ دار بنایا ہے۔

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ

تم میں سے جو آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا چاہے۔

اور فرمایا۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ

ہر نفس جو کچھ وہ کماتا ہے اس کے عوض رہن ہے۔

جو چاہے اپنے آپ کو تعلیم خداوندی کی بلندیوں سے متمتع کرے اور جو چاہے عالم سفلی سے چمٹ جائے۔

اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ

وہ زمین کی طرف جھکا اور اپنی خواہش کی پیروی کی۔

## سعادتمندی اور فریضہ کی انجام دہی

یہاں جو سلف کی کوششوں سے آگے بڑھ جائے اور امت اسلامیہ کے خزائن علوم میں ایک ذرہ کا ہی اضافہ کیوں نہ کر جائے وہی سعادتمند ہے گویا اسی نے اپنے فریضہ کو انجام دیا، اور وہی ہے جو اپنے معزز سلف کی اقتدا کرتا ہے، ان کی راہ پر چلتا ہے، لیکن جس نے تقلید اختیار کر کے اسلاف کے طریقہ سے گریز کیا وہ سیدھے اور صحیح راستہ سے کھٹک گیا۔

## تاویل الکتاب سے مراد تلاوت کتاب

کسی نے یہ خوب نکتہ پیدا کیا ہے کہ "تاویل الکتاب" سے مراد "تلاوت کتاب" ہے اور آیات قرآنی کی تفسیر اس کی آیات و معانی میں تفکر و تدبر ہے۔ اس طرح کہ قرآن مجید کے بیان و کمال ہی سے اس میں رہبری لی جائے اور کسی شرح و تفسیر کی پابندی نہ کی جائے کیونکہ اس طرح قرآن مجید کے احکام کی وسعت، افادیت کی ہمہ گیری محدود و محجوب ہو جاتی ہیں۔ اس ضمن میں اگر کسی چیز سے مدد لینی ہو تو وہ کائنات کی آیتوں (نشانوں) سے لی جائے جو کتاب علم میں ہیں۔

## امت اسلامیہ تدریج ترقی کرتی رہے گی

انجیل میں امت مسلمہ کی جو مثال دی گئی ہے وہ یہ ہے۔

كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ

اس کھیتی کی طرح جس نے اپنے ابتدائی سرے نکالے پھر اسے قوت دی پھر وہ موٹی اور مضبوط و سخت ہوئی پھر وہ اپنے تنوں پر کھڑی ہو گئی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو دن دونی رات چوگنی ترقی دے گا اور اس کا ہر دور سابقہ دور سے طاقتور ہوگا اور ہر خلف سلف سے زیادہ عالم ہوگا اور ہر نسل و صدی اپنے سے پہلی صدی سے زیادہ مستحکم و پائیدار ہوگی۔

ہمارا کتاب اللہ کا مطالعہ ہمیں یہی بتاتا ہے اور ہمیں اُمّتِ محمدیہ سے یہی امید ہے اور یہی اللہ کا وعدہ ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ (۹/۳۳)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے۔

## کتابت قرآن، جمع قرآن، ترتیب آیات و سورِ قرآن

ہمارا اعتقاد ہے کہ قرآن کریم کی ترتیب و نظم اور اس کے کلمات و معانی تمام منجانب اللہ ہیں اور اس میں سوائے روح الامین کے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ۝ عَلٰی قَلْبِكَ (۲۶/۱۹۳-۹۴)

روح الامین اسے لے کر تیرے قلب پر نازل ہوا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی آیات کو جوڑنے اور سورتوں کی ترتیب دینے میں اللہ تعالےٰ کی وحی کا اتباع فرماتے تھے، اور "الروح الامین" ہر کلمہ ہر آیت اور ہر سورت کے متعلق اس سلسلہ میں ہدایت فرماتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے۔

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ (۷۵/۱۷)

بے شک ہمارا ذمہ ہے کہ ہم اس (قرآن مجید) کو جمع کریں اور اس کے الگ الگ حصوں کو ملائیں۔

قرآن مجید کی آیات میں ترتیب نزول ایک تاریخی امر واقعہ ہے۔ لیکن نزول قرآن کا زمانہ اور سبب نزول، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و ظروف کا یہ پابند نہیں۔ نہ آیت کی افادیت میں نہ اس کی افادیت کی وسعت و ہمہ گیری ہیں۔

جیسے جیسے قرآن مجید نازل ہوتا رہتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کتابت کراتے رہتے اور وہ کتابی شکل میں تیار ہو جاتا تھا۔ قرآن مجید کے لئے بار بار "کِتَابٌ" کا لفظ دہرایا گیا ہے اور کتاب ہمیشہ لکھی ہوئی چیز کو کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب کفار اس کتاب کو دیکھتے تو کہتے:۔

اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا (۲۵/۵)

پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جنہیں اس نے اپنے لئے لکھوالیا ہے اور وہ صبح و شام اس پر املا کرائی جاتی ہیں۔

سورۂ اسراء مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے اور اس میں جن و انس کو قرآن کا مثل پیش کرنے کا چیلنج دیا گیا ہے:۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا (۱۷/۸۸)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جن مل کر یہ چاہیں کہ اس قرآن کا مثل پیش کر دیں تو یہ سب اس کا مثل پیش نہیں کر سکیں گے

خواہ یہ آپس میں ایک دوسرے کی پشت پناہی اور مدد ہی کیوں نہ کریں۔

یہ آیت صراحتاً ثابت رہی ہے کہ قرآن مجید جس قدر بھی نازل ہو چکا تھا لکھا ہوا رہتا تھا ورنہ اس کی طرف هٰذَا الْقُرْاٰنُ سے اشارہ کرنا ناممکن تھا اسی طرح ایک ایسی چیز جو ضبط تحریر میں نہ ہو اس کے مقابلہ کی دعوت بھی مبہم و بے معنی ہے، کسی چیز کا مثل اسی وقت لایا جا سکتا ہے جبکہ وہ محسوس اشیاء میں ہو اور جو کتاب لکھی نہ ہو اس کی مثل لانے کا چیلنج کوئی معنی نہیں رکھتا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو آپ کے پاس اور آپ کے رفیق سفر حضرت ابوبکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ کے پاس **صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ، مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ** تھے جس میں ۸۶ مکی سورتیں تحریر شدہ تھیں، یہی نہیں بلکہ یہ تمام سورتیں تحریری شکلوں میں آپ کے مدینہ پہنچنے سے قبل یہاں بھی ہوتی تھیں چنانچہ جب آپ مدینہ تشریف فرما ہوئے تو آپ نے وہاں متعدد بچوں کو مکی لمبی سورتوں کا حافظ پایا۔ مثلاً حضرت زید بن ثابتؓ جو دس سال کے تھے اور حضرت انس بن مالکؓ۔

آیت کریمہ:-

فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ (۸۰-۱۳-۱۴)

پاک باعزت صحیفوں میں جو بلند اور پاک رکھے جاتے ہیں۔

میں صرف یہی اظہار مطلوب نہیں ہے کہ قرآن مجید اسی وقت ضبط تحریر میں آجاتا تھا بلکہ اس امر کی بھی تعلیم و ترغیب ہے کہ اس کو اہتمام کے ساتھ زیادہ سے زیادہ لکھا جائے اور احترام سے محفوظ رکھا جائے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وحی کو اس وقت تازہ بتازہ لکھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (۹۸-۲-۳)

پاک صحیفے جس میں سیدھی باتیں لکھی ہوتی ہیں۔

• كُتُبٌ قَيِّمَةٌ • قرآنی سورتیں ہیں جو مستقل بالذات ہیں انہی کی طرف ذیل کی آیت میں اشارہ ہے۔

وَمَا يَسْطُرُوْنَ (۶۸/۱)

اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں۔

اور اسی کو سورۃ بَيِّنَة اور سورۃ عَبَسَ میں بیان کیا ہے۔

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (۹۸-۲-۳)

اللہ کا رسول جو پاک صحیفے پڑھتا ہے جن میں سیدھی باتیں لکھی ہوئی ہیں۔

قرآن مجید کی آیات کا احکام (پختہ بندش، معانی کی استواری و پختگی) اور آیات و سُوَر کی تفصیل (الگ الگ کرنا، فصل کرنا، جدا جدا کرنا) ہر دو عمل منجانب اللہ ہیں، فرمان خداوندی ہے۔

كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝ (۱۱/۱)

یہ کتاب ہے جس کی آیات کا محکم کرنا اور پھر تفصیل حکیم خبیر کی طرف سے کیا گیا ہے۔

یہ آیت کریمہ بتا رہی ہے کہ قرآن مجید کی آیات میں احکام دستوری ہے، نیز یہ کہ یہ کتاب (قرآن مجید) سورتوں میں بٹی ہوئی ہے اور سورتیں آیتوں میں منقسم ہیں۔ فُصِّلَتْ (الگ الگ کی گئی ہیں فاصلہ فاصلہ کی گئی ہیں)

## سَبْعَۃُ اَحْرُفٍ والی رِوایت

قرآن مجید کے متعلق جو مروی ہے کہ وہ سات حروف پر نازل ہوا ہے[1] تو اس کے قطعاً یہ معنی نہیں کہ اس کی تحریر میں اختلاف رہا ہے۔ دراصل یہ تلفظ کا اختلاف ہے اور الفاظ کی ادائیگی اور ان کے مخارج کا فرق ہے۔

جس کا خیال ہے کہ سبعۃ احرف سے مراد سات بولیاں ہیں۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی جائز سمجھتا ہے کہ ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ رکھ دیا جائے یا ایک جملہ کی جگہ دوسرا جملہ، تو یہ تصور ایک ابدی اور دائمی کتاب کے متعلق بالکل باطل ہے۔ ایسی کتاب تو چار دن بھی باقی نہیں رہ سکتی اور مؤلف سے پہلے ہی آپ اپنی موت مر جائے گی۔

## بعض الفاظ کی شرح اور ان کا چند مروجہ تراجم و تفاسیر سے تقابل

۱۔ اَلْمُزَّمِّلُ کے معنی عالمگیر رسالت کی ذمہ داریاں اٹھانے والا، اور چونکہ اس کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا تھا "زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ" اس لئے اس لفظ کے معنی بھی کپڑا اوڑھنے والے سمجھ لئے گئے۔ (یہاں تک علامہ موصوف کا بیان ہے)

### اَلْمُزَّمِّلُ[2] کے معنی

تفسیر ابن کثیرؒ:- (۱) سونے والے (۲) کپڑا لپیٹنے والے۔ (۳) قرآن کو اچھی طرح اٹھانے اور لینے والے۔

ترجمہ شاہ ولی اللہؒ:- (۱) اپنے اوپر کپڑے لپیٹنے والے۔

تفسیر حسینی:- (۱) اپنے اوپر چادر لپیٹنے والا۔ (۲) نبوت کا بار اٹھانے والا۔

تفسیر جلالین:- (۱) وحی کے آنے کے وقت اس کے خوف سے اپنے کپڑوں میں لپٹ جانے والا۔

ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ:- (۱) کپڑا اوڑھنے والا۔

---

اَلْمُدَّثِّرُ:- اگر اس لفظ کو ہم "دِثَارٌ" سے لیں جو شِعَارٌ کا بالمقابل ہے تو اس کا مطلب روحانی پیغام کا حامل[3] ہے۔

---

[1] اس روایت کو جو چیز وضعی بتا رہی ہے وہ "نازل ہونے" کے الفاظ ہیں۔ اگر بات یوں کہی گئی ہوتی کہ قرآن کے الفاظ ایک ہی شکل میں نازل اور تحریر ہوئے تھے لیکن مختلف قبائل میں حروف کے مخرج میں جو فرق تھا (مثلاً اہل لاہور چرخی کو چرخی پڑھتے ہیں اسی طرح عرب کے بعض قبائل جیم کو گاف بولتے تھے) حضورؐ نے اس کی اجازت دیدی تھی۔ تو بات اور ہوتی۔ لیکن یہ کہنا کہ قرآن نازل ہی سات حرفوں پر ہوا تھا قرآن کی وحدت کو ختم کر دیتا ہے (طلوعِ اسلام)۔ [2] اس لفظ کے صحیح معنی ہیں بہترین رفیقوں کی تلاش کرنے والا۔ (طلوعِ اسلام)

اگر اس لفظ کو ہم "الدَّثر" سے مشتق قرار دیں تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام الماحی و العاقب کے مترادف ہے اور اس لحاظ سے "المُدَّثِر" کے معنی "خاتم النبیین" ہوں گے اگر اس لفظ کو ہم "الدثور" سے مشتق قرار دیں جس کے معنی ہیں مال کثیر تو "المُدَّثِر" کے معنی ہوں گے "صاحب کوثر" جیسے کہ قرآن مجید میں ہے "اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ" الکوثر کے معنی ہیں "کثیر و لا متناہی نعمت و دولت" اسی مضمون کو دوسری جگہ اس طرح ادا کیا ہے۔

وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی (۹۳/۵)

اور تجھے تیرا رب عطا فرمائے گا تو تو راضی ہوگا۔

[یہاں تک علامہ موصوف کا بیان ہے]

المدثر کے معنی بعض مروجہ تراجم و تفاسیر میں :-

تفسیر ابن کثیر: کپڑا پہننے والا

شاہ ولی اللہ صاحبؒ (۱) خود پر کپڑے لپیٹنے والا۔

تفسیر حسینی: (۱) کپڑا اپنے اوپر ڈالنے والا (۲) لباس رسالت پہنایا ہوا۔

تفسیر جلالین: (۱) نزول وحی کے وقت اپنے کپڑوں میں لپٹا ہوا۔

شاہ عبدالقادرؒ (۱) کپڑا اوڑھنے والا

---

۳۔ یَوْمُ الدِّیْنِ :- الدِّیْنُ کے معنی جزا اور بدلہ ہیں، اور یَوْمُ الدِّیْنِ، بدلہ کا دن ہے، اور اللہ تعالیٰ کے اس یَوْمُ الدِّیْنِ کی ابتداء اسی سیکنڈ سے شروع ہو جاتی ہے جبکہ کوئی عمل کیا جاتا ہے قطعاً تاخیر نہیں ہوتی اور یہ سلسلہ ابد تک جاری رہتا ہے اسی کی طرف اشارہ ہے :-

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ ۝ وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ۝ (۹۹/۷-۸)

تو جو بھی ذرہ برابر بھلائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔

اور فرمایا:

وَ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِہٖ ۙ وَلَا یَجِدْ لَہٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ۝ (۴/۱۲۳)

---

(۱) اس لفظ کے معنی سنوارنے والا۔ بہترین انتظام کرنے والا۔ باغ عالم میں نئی بہاریں لانے والا ہیں۔ (طلوع اسلام)

اور جو بھی برائی کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا ، اور وہ اپنے لئے اللہ کے سوا کسی کو حامی اور مددگار نہ پائے گا۔

جو حضرات یَوْمُ الدِّیْنِ کی تفسیر یَوْمُ الْقِیَامَۃِ سے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عمل کا بدلہ موت کے بعد قیامت کے دن ہی ملتا ہے تو وہ بڑی لمبی ڈھیل اور طویل مہلت دے کر انسان کے دل سے اس خوف کو زائل کر دیتے ہیں جو انسان کو بدی سے باز رکھنے کے لئے بہت زیادہ ضروری اور زوردار ہے۔

(یہاں تک علامہ موصوف کا بیان ہے)۔

یَوْمُ الدِّیْنِ بعض متداولہ تراجم و تفاسیر کے آئینہ میں:-

| | |
|---|---|
| شاہ ولی اللہؒ | روز جزا |
| تفسیر حسینی | روز جزا ، روز حساب ، روز پاداش عمل ، |
| شاہ عبدالقادر صاحبؒ | دن جزا کا۔ |
| تفسیر ابن کثیرؒ | یَوْمُ الدِّیْنِ سے مراد مخلوق کے حساب کا دن ہے یعنی قیامت کا دن جس دن تمام برے بھلے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ دین کے معنی بدلہ ، جزا اور حساب کے ہیں۔ |

---

۴۔ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ:- اَلْقَدْر (دال کو سکون) کے معنی ہیں تقدیر یعنی اندازہ لگانا، تخمینہ کرنا، ناپ تول لینا، اسی سے قرآن مجید میں ہے:-

وَ قَدِّرْ فِی السَّرْدِ (۳۴/۱۱)

اور زرہ کے بنانے میں اندازہ کرو۔

اور اسی سے ارشاد ہے۔

مِنْ فِضَّۃٍ قَدَّرُوْھَا تَقْدِیْرًا (۷۶/۱۶)

چاندی سے اس کا پورا پورا اندازہ لگا کر بنایا۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی پروگرام اور نظام عمل پر گامزن ہونے سے پہلے اس کا صحیح اور پورا پورا اندازہ و تخمینہ کر لینا ہی اس کام میں کامیاب ہونے کا راز ہے، لہٰذا وہ رات جس میں معاملات کا پورا تخمینہ لگایا جائے اور کام کا صحیح اندازہ لگا کر پروگرام بنایا جائے بغیر اندازہ کئے ہوئے ہزاروں مہینوں تک کام کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔

(یہاں تک علامہ موصوف کا بیان ہے)

لَیْلَۃُ الْقَدْرِ بعض متداولہ تراجم و تفاسیر کے آئینہ میں:-

تفسیر جلالین　لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ: بزرگی، شرف وعظمت والی رات۔

تفسیر ابن کثیر　یہ وہ رات ہے جس میں تمام کاموں کا فیصلہ کیا جاتا ہے، عمر اور رزق وغیرہ مقدر کئے جاتے ہیں (یعنی ان کا اندازہ لگایا جاتا ہے) جیسے اور جگہ قرآن مجید میں اس رات کے متعلق ارشاد ہے۔

فِيهَا يُفۡرَقُ كُلُّ أَمۡرٍ حَكِيمٍ (۴۴)

اس رات میں ہر حکمت والے معاملہ کو جدا جدا کیا جاتا ہے۔

لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ ایک رات ہے جو ماہ رمضان میں ہے، رمضان میں بھی اس کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں، اسی رات میں قرآن اتارا گیا تھا۔

تفسیر حسینی:　شب قدر

ترجمہ شاہ ولی اللہ　شب قدر

ترجمہ شاہ عبد القادر　رات قدر کی

---

۵۔　اَلسَّاعَةُ　ہر جلیل الشان یا مطلوبہ حلوثہ کے رونما ہونے کے وقت کو کہتے ہیں۔

اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ۔ یعنی اللہ کی مدد کی گھڑی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور آپ کی دعوت کے بار آور ہونے کا وقت قریب ہو گیا۔

(یہاں تک علامہ موصوف کا بیان ہے)

اَلسَّاعَةُ بعض تراجم وتفاسیر میں۔

تفسیر حسینی　بمعنی قیامت

ترجمہ شاہ ولی اللہ　بمعنی قیامت

تفسیر جلالین　قیامت

ترجمہ شاہ عبد القادر　قیامت

تفسیر ابن کثیر　اس آیت میں اللہ تعالیٰ قرب قیامت اور دنیا کے خاتمہ کی اطلاع دیتا ہے۔

---

۶۔　عِبَادِنَا الۡمُرۡسَلِينَ اور جُنۡدَنَا۔

وَلَقَدۡ سَبَقَتۡ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الۡمُرۡسَلِينَ ○ إِنَّهُمۡ لَهُمُ الۡمَنۡصُورُونَ ○ وَإِنَّ

جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ (۳۷ / ۱۷۱-۱۷۳)

ہمارے فرستادہ بندوں کے لئے ہمارا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے کہ بے شک وہی مدد کئے جائیں گے اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب رہنے والا ہے۔

یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں — یہی اللہ کے جند (لشکر) ہیں اور یہی مدد کئے ہوئے (مَنْصُوْرُوْنَ) ہیں اور یہی اللہ کے وہ بندے ہیں جو دیگر حکومتوں اور قوموں میں اللہ کا پیغام پہنچانے کے لئے مقرر کئے گئے تھے (عِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ)

[یہاں تک علامہ موصوف کا بیان ہے]

**عبادنا المرسلین** اور **جندنا** بعض تراجم و تفاسیر میں:

| | | |
|---|---|---|
| ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ: | واسطے ہمارے پیغمبروں کے | اور لشکر ہمارا |
| تفسیر جلالین: | یعنی میں اور میرے رسول | اور مومنین |
| شاہ ولی اللہؒ | ہمارے فرستادہ بندے | اور ہمارا لشکر |
| تفسیر حسینی | ہمارے پیغمبر | اور پیروان انبیاء |
| تفسیر ابن کثیرؒ | ہمارے رسول | |

۷— **الْمُطَفِّفِيْنَ** اس کے ظاہری معنی تولنے یا پیمائش کرنے میں خیانت کرنے والے تاجر کے ہیں لیکن درحقیقت "تَطْفِيْف" اقدار و مراتب میں خیانت کرنے کا نام ہے اور وہ اس طرح کہ انسان خود کو بڑا اور معزز خیال کرے اور دوسروں کو حقیر گردانے، اور یہی وجہ ہے کہ اس کے آگے دونوں فعل بغیر صلوں کے (بلا واسطہ متعدی) ہیں چنانچہ ارشاد ہے:

وَإِذَا كَالُوْهُمْ أَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ (۸۳/۳)

اور جب وہ انھیں ناپتے یا تولتے ہیں تو نقصان میں رکھتے ہیں۔

اگر ان کے پہلے معنی (یعنی سامان کے ناپنے یا تولنے میں خیانت) مراد ہوتے تو "إِذَا كَالُوْا لَهُمْ أَوْ وَّزَنُوْا لَهُمْ يُخْسِرُوْنَ" ہونا چاہیئے تھا۔

اقدار و مراتب میں خیانت (تَطْفِيْف) بدترین خرابی اور سب سے بڑا گناہ ہے، اسی کی وجہ سے ابلیس ابدی ملعون قرار دیا گیا کہ اس نے کہا تھا۔

أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (۷/۱۲)

میں اس سے بہتر ہوں مجھے تو نے آگ سے بنایا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ اس سورت میں آگے چل کر فرمایا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ○ وَ اِذَا مَرُّوْا
بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ○ (۸۳ — ۳۰/۲۹)

جن لوگوں نے جرم کیا وہ ایمان والوں پر ہنسا کرتے تھے اور جب ان کے پاس سے گزرتے تھے تو آنکھیں چمکاتے تھے۔

تطفیف مراتب کی یہ بیماری بہت زیادہ عام ہے جس کی وجہ سے لوگوں میں ظلم و فساد رونما ہو رہا ہے۔

یہاں تک علامہ موصوف کا بیان ہے ]

**مُطَفِّفِيْنَ بعض تراجم و تفاسیر میں:۔**

| | |
|---|---|
| ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ | انسانوں کے حقوق کے کم کرنے اور گھٹانے والے۔ |
| تفسیر حسینی | گھٹا دینے والے اور کم کرنے والے، ناپ اور وزن میں۔ |
| ترجمہ شاہ عبد القادرؒ | کم کر دینے والے۔ |
| تفسیر ابن کثیر | ناپ تول میں کمی کرنے والے، خواہ اس صورت میں کہ اوروں سے لیتے وقت |

زیادہ لے لیا اور دیتے وقت کم دیا۔

---

۸۔ **الزُّمَر** وہ اقوام ہیں جو یکے بعد دیگرے اسلام قبول کر کے اسلامی حکومت قائم کریں گی۔ شلاً ایرانی قوم، ترکی قوم وغیرہ

[ یہاں تک علامہ موصوف کا بیان ہے ]

دیگر تفاسیر میں اس لفظ کا مفہوم بعض گروہ، جماعتیں اور ٹولیاں لیا گیا ہے۔

---

## بعض آیاتِ قرآنی کا مفہوم

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا (۲/۷۳)

تو ہم نے کہا جس پر تہمت لگ رہی ہو اسے مقتول کے بعض حصے سے مارو۔

سورۂ بقرہ کی اس آیت کو ذبحِ بقرہ سے متعلق نہیں سمجھنا چاہیئے کیونکہ ان دونوں واقعوں کے درمیان "اِذْ" آیا ہے جس کے معنی ہیں کہ یہ الگ واقعہ ہے اور ذبحِ بقرہ الگ واقعہ ہے، اگر دونوں ایک ہی واقعہ سے متعلق ہوں تو "اِذْ" کا آنا بےمحل ہے۔

در اصل یہ ایک نفسیاتی طریقہ ہے جو مجرم کو شناخت کرنے کے لئے استعمال کیا گیا، یعنی مقتول کا ٹکڑا قاتل پر مارنے سے اگر قاتل میں انفعالی کیفیت پائی جائے تو سمجھ لو کہ وہی قاتل ہے۔

[ یہاں تک علامہ موصوف کا بیان ہے ]

مذکورہ بالا آیت بعض تراجم و تفاسیر کے آئینہ میں:۔

**تفسیر جلالین**　تو ہم نے کہا مارو اسے (یعنی مقتول کو) اس کے بعض سے (تو اس کی زبان یا دم کی جڑ سے اسے مارا گیا اور وہ زندہ ہو گیا، پھر اس نے بتایا کہ مجھے فلاں نے مارا)

**ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ**　پس کہا ہم نے مارو اس کو ساتھ ایک ٹکڑے اس کے کے۔ اسی طرح زندہ کرتا ہے اللہ مردوں کو۔

**تفسیر موضح القرآن**　بنی اسرائیل میں ایک شخص مارا گیا اس کا قاتل معلوم نہ تھا، اس کے وارث ہر کسی پر دعوے کرتے، اللہ تعالیٰ نے اس طرح اس مُردے کو جلایا، اس نے بتایا کہ ان وارثوں ہی نے مارا تھا۔

**ترجمہ شاہ ولی اللہؒ**　تو ہم نے کہا مارو اس شخص کو گائے کے کسی عضو سے۔

**تفسیر حسینی**　پس ہم نے کہا کہ مارو اس مقتول کو اس گائے کے بعض ٹکڑے سے جو دُم کی جڑ یا زبان، یا کان تھا۔

**تفسیر ابن کثیر**　مقتول کو گائے کے کسی ٹکڑے سے مارو۔

---

۲۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (۸۵/۱۷)

وہ آپ سے روح کے متعلق دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے اور نہیں دیا گیا تمہیں علم میں سے مگر قلیل۔

لوگوں نے جن تین چیزوں کے متعلق دریافت کیا تھا وہ یہ ہیں۔

۱۔ روح

۲۔ اصحاب کہف

۳۔ ذوالقرنین

سوال یہ ہے کہ روح سے ان کی مراد کیا تھی؟ بعض کا خیال ہے کہ روح سے 'قرآن' مراد ہے[۱] اور اللہ نے جواب میں فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ قرآن میرے رب کا امر ہے، اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور یہ میرا کام نہیں ہے اور نہ کسی عبد مخلوق کا عمل ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ روح سے مراد وہی روح ہے جس کا ذکر آسمانی کتابوں میں ہے اور جس سے فلسفہ و سائنس بحث کرتے ہیں۔

چونکہ یہ مسئلہ پرانا تھا اور اس کے سمجھنے میں عقلیں تھک چکی تھیں لہٰذا اس قسم کے سوال کا فیصلہ کن جواب یہی تھا کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (۸۵/۱۷) آپ کہہ دیجئے روح میرے رب کا امر ہے اور تمہیں جو کچھ علم دیا گیا ہے وہ تو بہت ہی کم ہے۔

---

[۱] ہمارے نزدیک بھی یہی صحیح ہے۔ (طلوعِ اسلام)

جواب سے سکوت اختیار کیا لیکن اس سکوت کے یہ معنی نہیں کہ اس کے جواب میں غور و خوض کرنے سے بھی منع کر دیا ہو۔ بلکہ غور و فکر کی دعوت دی اور یہ کہا کہ جب انسانی علم کم تھا تو وہ اس کے سمجھنے سے قاصر تھا، انسان کو کوشش جاری رکھنی چاہیئے حتیٰ کہ جب اس کی معلومات وسیع اور زیادہ ہو جائے گی تو اس کو روح کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے گی۔

[ یہاں تک علامہ موصوف کا بیان ہے ]

مذکورہ بالا آیت دیگر تراجم و تفاسیر میں۔

**ترجمہ شاہ عبد القادرؒ** — اور سوال کرتے ہیں تجھ کو جان سے کہہ جان حکم پر وردگار میرے کے سے ہے اور نہیں دیئے گئے تم علم سے مگر تھوڑا۔

**موضح القرآن** — حضورؐ کے آزمانے کو یہود نے پوچھا سو اللہ نے نہ بتایا کہ ان کو سمجھنے کا حوصلہ نہ تھا۔ آگے بھی پیغمبروں نے خلق سے باریک باتیں نہیں کہیں، اتنا جاننا بس ہے کہ اللہ کے حکم سے ایک چیز بدن میں آپڑی وہ جی اُٹھا۔ جب نکل گئی وہ مر گیا۔

**تفسیر جلالین** — (یہود) تجھ سے روح کے متعلق (جو بدن کو زندہ رکھتی ہے) دریافت کرتے ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے روح میرے رب کا امر ہے (یعنی میرے رب کا علم ہے تم اسے نہیں جانتے) اور تمھیں (اللہ کے علم کی نسبت سے) کم علم دیا گیا ہے۔

**تفسیر ابن کثیر** — روح امر ربی ہے یعنی اس کی شان ہے اس کا علم صرف اسی کو ہے تم میں سے کسی کو نہیں۔ تمھیں جو علم ہے وہ خدا ہی کا دیا ہوا ہے پس وہ بہت ہی کم ہے۔

بعض نے روح کے معنی نفس بتائے ہیں، بعض نے جبرئیل علیہ السلام، بعض نے دوسرا فرشتہ، حاصل کلام یہ ہے کہ روح نفس اور مادہ کی اصل ہے، اس کے بدن کے اتصال سے نفس بنتا ہے۔ واللہ اعلم بالحقیقۃ۔

**شاہ ولی اللہؒ** — آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دیجئے کہ روح میرے پروردگار کا فرمان ہے اور تمھیں نہیں دیا گیا ہے علم سے مگر تھوڑا۔

**تفسیر حسینی** — آپ سے روح کے متعلق (یعنی اس روح کی کیفیت جس کی وجہ سے انسان زندہ رہتا ہے) سوال کیا جاتا ہے آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے پروردگار کا امر ہے یعنی ان بدیع امور میں سے جو لفظ "کُنْ" سے بغیر مادہ کے وجود پذیر ہو جاتے ہیں، اور یہ ان چیزوں میں سے ہے جو حق تعالیٰ کے علم سے مخصوص ہے اور اس کے سوا اس سے کوئی واقف نہیں ہے۔ کیونکہ تمھیں اللہ کے علم کی نسبت تھوڑا دیا گیا ہے۔

---

۳۔۔۔ الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝

فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ۔ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ بَعْدُ ؕ وَ یَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰہِ (۵-۱)

الٓمّٓ ، رومن حکومت ہار گئی ، زمین کے بہت قریبی حصہ میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد غالب آئیں گے چند سالوں کے اندر امر اللہ ہی کیلئے ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی اور اس دن مومن خوش ہوں گے اللہ کی مدد سے۔

تاریخ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ

(۱) ایرانیوں نے رومن حکومت پر ۶۱۴ء میں قدس میں فتح پائی

(۲) پھر رومن حکومت نے ۶۲۳ء میں ایرانیوں کو شکست دیدی۔

(۳) ۶۳۶ء میں امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قدس کو فتح کر لیا اور اس طرح اسلام کا غلبہ ہو گیا۔

ایرانی حکومت نے رومی حکومت پر ۶۱۴ء میں فتح پائی پھر چند سالوں کے بعد ۶۲۳ء میں رومن حکومت نے ایرانی حکومت کو ہرا دیا۔ اس طرح " فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ " فرمان ایزدی " سَیَغْلِبُوْنَ " کا ظرف ہوا۔ اس کے بعد " لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ " یہ الگ اور مستقل بالذات جملہ ہے جو از سر نو شروع ہوتا ہے اور اس کے معنی ہیں۔

" رومیوں کے ایرانیوں پر فتح پانے سے پہلے اور روم پر اسلامی فتح کے بعد "

اور اس کی سند یہ اگلا ٹکڑا ہے " وَ یَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰہِ " اس کے بعد " الْمُؤْمِنِیْنَ " محذوف ہے یعنی اس دن مومنین اللہ کی اس مدد سے جو ان کے ساتھ شامل حال رہی خوش ہوں گے ، اس لئے کہ کوئی اس وقت خوش ہوتا ہے۔ جب اللہ کی مدد اس کے شامل حال ہو یہ کوئی طریقہ نہیں کہ اپنے دشمن کے کسی پر فتح پانے سے کوئی اور خوش ہو

دوسرا نکتہ یہ قابل لحاظ ہے کہ :-

غُلِبَتِ الرُّوْمُ ...... وَ ھُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۝

رومن حکومت ہار گئی ...... اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد غالب ہو جائیں گے۔

اس آیت میں دو فعلوں کے اعتبار سے تین صورتیں پیدا ہو گئی ہیں

(۱) رومن حکومت ایرانی حکومت سے ہار گئی ہے اور وہ چند سالوں میں ایرانی حکومت پر غالب آجائے گی۔

(۲) رومن حکومت ایرانیوں پر غالب آئی ہے اور وہ چند سالوں میں اسلام سے مغلوب ہو جائے گی۔

(۳) رومن حکومت نے ایرانیوں کے ہاتھوں شکست کھائی اور وہ چند سالوں میں ایرانیوں پر غالب آچکنے کے بعد اسلام سے ہار جائے گی۔

ان آیات کی متداولہ کتب تفاسیر میں کوئی ایسی شرح نہیں ہے جس سے ہوش و عقل رکھنے والے مومن کو طمانیت ہو سکے بالخصوص

یَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰہِ

اس دن مومنین اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے۔

کی کوئی معقول شرح تفاسیر میں نہیں ملتی، اس لئے کہ کوئی اپنے دشمن کی فتح سے خوش نہیں ہوتا۔

پھر اسی طرح:۔

وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (۳۰/۶)

اللہ کا وعدہ ہے، اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

بالکل بے معنی ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ نے کہیں بھی قرآن مجید میں یا سابقہ کتب میں رومن حکومت کی فتح و کامیابی کا وعدہ نہیں فرمایا، یہ بھی واضح رہے کہ ان آیات کے سیاق و سباق سے معرکۂ بدر کا تعلق بھی نہیں ہے۔

[یہاں تک علامہ موصوف کا بیان ہے]

## ان آیات کے متعلق تفاسیر و تراجم کا ملخص

یہ قرآن کی پیشینگوئی تھی جس پر مسلمانوں کو پورا پورا یقین تھا، ایرانی مشرک تھے اور رومی اہل کتاب، مسلمانوں کو طبعاً مشرکین کے مقابلہ میں اہل کتاب سے دلچسپی تھی۔ پھر ۶۲۴ء میں جبکہ ادھر رومن حکومت کو فتح ہو رہی تھی ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معرکۂ بدر فتح کر چکے تھے، اس طرح اسی زمانہ میں جبکہ روم کو فتح ہو رہی تھی مسلمان بھی فتح و نصرت کے سبب خوش تھے۔

[ہمارا خیال ہے کہ مسلمانوں کو روم کی فتح پر خوشی نہ تھی بلکہ انھیں قرآن مجید کی پیش گوئی صحیح ہو جانے پر مسرت تھی، تاریخ سے بھی اس امر کے شواہد ملتے ہیں۔]

## بعض سورتوں کے ابتدائی حصوں سے متعلق اہم مباحث

### سورۂ والنجم اور معراج

اس سورت کی ابتدائی تیرہ آیات میں معراج کا ذکر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو متعدد بار معراج ہوئے ہیں، یہ آیات خوبصورت اور پیارے جملوں پر مشتمل ہیں، جن میں غائب ضمیریں ہیں اور مرجع غیر ظاہر ہے اس طرح یہ آیات معراج کی کیفیات کی صحیح ترجمانی کر رہی ہیں کیونکہ وہ بھی ایک غیبی پوشیدہ اور خفیہ حالت ہے۔

ان آیات میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں جس سے ذہنی الجھاؤ یا پیچیدگی پیدا ہوتی ہو، ہر اعتبار سے ان کے معانی جلیل و عظیم ہیں جن سے انسانی قدر بلند ہوتی ہے۔

انسانوں کو معراج سے کافی حصہ دیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کے لئے معراجوں کے دروازے کھول دیئے

---

لے سورۂ والنجم کے متعلق پرویز صاحب کی تفسیر "مقام محمدی" کے عنوان سے شائع ہو چکی ہے جو پمفلٹ کی شکل میں ادارہ سے مل سکتی ہے۔

(طلوع اسلام)

ہیں، ہر ایک کو اس کے قدر و مرتبہ کے مطابق حصّہ ملتا ہے، ہر انسان "ربی اللّٰہ" کہہ کر اور اس کلمہ پر استقامت کے بعد معراج میں سے اپنا حصّہ لینا شروع کر دیتا ہے۔

انسان کے بلند مدارج اور وہ معراج جہاں تک وہ ترقی کر کے پہنچ سکتا ہے سورۂ نجم کی ابتدائی آیات میں مذکور ہیں، اور یہ یاد رکھئے کہ معراج میں اُمّت کا بھی حصّہ ہے۔

**سورۂ انفطار**

مجھے اس حقیقت کے اظہار میں کوئی باک محسوس نہیں ہوتا کہ وہ قرآنی سورتیں جو "اذا" سے شروع ہوئی ہیں ان میں کائناتی امور کا بیان ہے جو فضا اور آسمانوں میں رونما ہوتے ہیں، وہ آج بھی ہو رہے ہیں پہلے بھی ہو رہے تھے اور آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ علماء ہیئت ان امور سے پہلے واقف نہ تھے لیکن آج ہم اپنی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

**سورۃ التکویر**

اس سورت میں جن افلاکی تغیرات کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایسے طبیعی احوال ہیں جو کائنات میں واقع ہوتے رہتے ہیں پہلے بھی ہو چکے ہیں آج بھی ہو رہے ہیں اور آئندہ بھی یہ سلسلہ تغیر جاری رہے گا۔

اس سورت کی ہر آیت ایک معجزہ ہے جس کا پردہ قرآن مجید نے چاک کیا ہے اور اس سے قبل ان تغیرات سے کوئی حکیم و ماہر فلکیات واقف نہ تھا۔

وہ تکویرات جو اس عصر کے اوائل میں سورج میں واقع ہوئے بالخصوص وہ تکویر جو ۱۹۱۹ء میں واقع ہوئی جس کی شدت سے پھٹنے نے تمام موجودہ سائنس دانوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔

سورج کے لئے ایک بار ہی تکویر (لپٹنا، چھپنا اور گردش کرنا) نہیں بہت سی تکویریں ہیں، تاروں کے لئے ایک بار ہی انکدار (ٹوٹنا جھڑنا اور دھندلا ہونا) نہیں ہے وہ بہت مرتبہ منکدر ہوتے رہتے ہیں، آسمان کے لئے ایک بار ہی انفطار و انشقاق (پھٹنا، کھلنا) نہیں ہے یہ عمل بہت مرتبہ ہوتا رہتا ہے۔ ہر دن میں جو ہمارا دن ہے یا اللّٰہ کا دن ہے۔

قرآنی نصوص اور "اذا" سے شروع ہونے والے وقائع و احوال پر اب تک پردہ پڑا رہا ہے اور لوگ محض نمازوں یا تلاوت قرآن میں انھیں پڑھ لینے کے علاوہ ان کے مطالب سے قطعاً بے بہرہ رہے، جملہ تفاسیر میں ان وقائع کو قیامت کی دہشتناکیوں سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس طرح اللّٰہ کی معرفت کے دروازے بند کر دیئے گئے اور ایک مومن ان میں غور و خوض نہ کر کے آسمانوں اور زمینوں کے خلق میں تفکر سے بے نیاز ہو گیا۔

میرا غیر متزلزل اعتقاد ہے کہ لوحِ زمان پر کسی ایسے حادثہ کا نقش نہیں ہو سکتا جس کا واضح ذکر یا جس کی طرف اشارہ قرآن مجید میں نہ ملتا ہو۔

---

یہ ہیں علامہ موسیٰ جار اللّٰہ کی بصیرت قرآنی کی چند مثالیں۔ مقصد ان سے یہ بیان کرنا ہے کہ قرآن کریم میں غور و فکر کے دروازے نہ پہلے کبھی بند ہوسکے ہیں نہ اب بند ہو سکتے ہیں۔ یہ خدائے جلیل و عظیم کی کتاب تمام نوعِ انسانی کے لئے ہمیشہ کے لئے

حقائق و معارف کا خزانہ ہے۔ اس لئے اگر کوئی محقق اس کی آیات سے ایسے مطالب باہر لاتا ہے جو اس سے قبل کتب تفاسیر میں نہیں ملتے اس کی یہ محنت قابل ستائش ہے نہ کہ مستوجب سرزنش۔ ضرورت ہے کہ قرآن پر غور و فکر کے دروازوں کو زیادہ سے زیادہ کشادہ رکھا جائے۔ یہی قرآن کا مقصود تھا۔

---


## معراجِ انسانیت

حضور صلعم کی ذات اقدس و اعظم شرف مجد انسانیت کے کس بلند مقام پر فائز تھی اسے قرآنی آئینہ میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ سیرت مقدسہ کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ مضبوط حسین جلد قیمت بیس روپے

## جوئے نور

کاروان نبوت کے درخشندہ ستاروں یعنی حضرات انبیائے کرام از حضرت نوح تا حضرت شعیب کے تذکار جلیلہ پر تفصیلی کتاب سلسلہ معارف القرآن کی دوسری کڑی ۰۰۰ صفحات قیمت ۔۔۔ چھ روپے

## برقِ طور

بنی اسرائیل کے عروج و زوال کی بصیرت افروز اور عبرت انگیز داستان۔

قیمت ۔۔۔ چھ روپے

## شعلۂ مستور

محترم پرویز صاحب کی تحقیق نے، قرآن اور تاریخ کی روشنی میں انسانی تحریک کے ان تمام پردوں کو چاک کر کے جناب مسیح کی زندگی کی حقیقی تصویر پیش کی ہے جس میں آپ کی پیدائش، ابتدائی زندگی، دعوت، آپ کے خلاف سازش، ہجرت وغیرہ کے واقعات کے عیسائیت کے غلط عقائد - الوہیت، ابنیت، کفارہ وغیرہ پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے قیمت مجلد 6/-

ملنے کا پتہ: ناظم ادارہ طلوع اسلام ۲۵/بی گلبرگ کالونی - لاہور

# اِسلام کی سَرگزشت

( ڈاکٹر احمد امین مصری مرحوم )

[ ہمیں افسوس ہے کہ گذشتہ دو چار ماہ سے اس سرگذشت کا سلسلہ ، بقدر سیرابیٔ قارئین جاری نہ رہ سکا۔ جولائی ۵۸ء کی اشاعت میں اس کا بہت کم حصہ شائع ہوا۔ اور اگست میں اس کی گنجائش نہ نکل سکی۔ قارئین نے اس کمی کو جس شدت سے محسوس کیا اس کا اندازہ ان کی شکایت ہائے رنگین سے ہوا۔ ہم اس کے لئے معذرت خواہ ہیں اور متوقع ہیں کہ آئندہ یہ سلسلہ باقاعدگی سے جاری رہے گا۔

گذشتہ قسط میں آغازِ کلام اس سے ہوا تھا کہ عہد بنی اُمیّہ میں ممالک اسلامیہ کے کون کون سے شہر علمی مراکز کی حیثیت سے متعارف تھے اور ان میں کس کس قسم کے علوم وفنون کی گرم بازاری تھی۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے مدینۃ النبیؐ کا اجمالی ذکر آیا تھا۔ ان شہروں کے احوال و کوائف کا تفصیلی تذکرہ ملاحظہ فرمائیے۔ طلوع اسلام ]

## مکّہ کا مدرسہ

جب رسول اللہ صلعم نے مکّہ کو فتح فرمالیا تو وہاں آپ نے حضرت معاذؓ کو چھوڑ دیا کہ مکّہ کے لوگوں کو فقہ اور حلال وحرام کی تعلیم دیں اور قرآن پڑھائیں۔ حضرت معاذؓ علم، حلم اور سخاوت میں انصار کے نوجوانوں میں بہترین شخصیت کے مالک تھے اور رسول اللہ صلعم کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک رہے تھے۔ حلال وحرام کے علم میں صحابہ کے سب سے زیادہ جاننے والوں اور قرآن کے بہترین پڑھنے والوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ یہ ان صحابہ میں سے ہیں

له طبقات صفحہ ۳۳۷ جلد ۵

جنھوں نے رسول اللہ صلعم کی زندگی ہی میں پورا قرآن جمع کر لیا تھا، ان سے ابن عباس، عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہم نے روایات بیان کی ہیں، ان کا انتقال جوانی ہی میں عمواس کے طاعون میں ہو گیا تھا

ایسے ہی مکہ مکرمہ میں اپنے آخری زمانہ میں عبداللہ ابن عباسؓ نے بھی تعلیم دی ہے یہ بصرہ میں تعلیم دیتے رہے اور مدینہ میں بھی تعلیم دیتے رہے۔ لیکن جب عبدالملک بن مروان اور عبداللہ ابن الزبیر کے درمیان اختلاف پیدا ہوا تو ابن عباسؓ مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہاں تعلیم دینا شروع کر دی، آپ مسجد حرام میں بیٹھ جاتے اور تفسیر، حدیث، فقہ اور ادب و لٹریچر کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ مدرسہ مکہ کو جو کچھ علمی شہرت حاصل ہوئی اس میں ابن عباسؓ اور ان کے شاگردوں کا بڑا حصہ ہے۔ مشہور تابعین میں سے جن لوگوں نے یہاں علم حاصل کیا ان میں مجاہدؒ ابن جبیر، عطار ابن ابی رباح، طاؤس بن کیسانؒ زیادہ مشہور ہیں۔ یہ تینوں حضرات آزاد کردہ غلاموں میں سے ہیں۔ چنانچہ مجاہد، بنو مخزوم کے آزاد کردہ غلام ہیں اور ان کی شہرت زیادہ تر تفسیر قرآن میں ابن عباسؓ کے اقوال کو نقل کرنے کی وجہ سے ہے ان کا یہ قول بھی نقل کیا جاتا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے تین مرتبہ ابن عباسؓ کو قرآن کریم سنایا ہے اور ہر ہر آیت پر میں رک کر اُن سے پوچھتا تھا کہ یہ آیت کس بارہ میں نازل ہوئی تھی اور صورتِ حال کیا تھی؟

عطار ابن ابی رباح بنو فہر کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یہ سیاہ رو تھے اور ان کے بال بہت کم تھے۔ یہ مکہ مکرمہ کے عظیم ترین فقیہ اور زاہد سمجھے جاتے تھے۔ لوگ ان کو مسائلِ حج کا سب سے بڑا عالم تصور کرتے تھے۔ یہ بھی مسجد حرام میں بیٹھ جایا کرتے اور لوگ ان کے گرد جمع ہو جایا کرتے تھے۔ آپ کو فتوے دیا کرتے۔ حدیثیں بیان کیا کرتے اور اُنھیں تعلیم دیتے تھے۔

طاؤس یمن میں ایرانیوں کی اولاد میں سے تھے۔ اُنھیں بے شمار صحابہ سے شرف نیاز حاصل تھا اور ان سے انھوں نے علم حاصل کیا تھا۔ اس کے بعد یہ ابن عباسؓ کے ہو کر رہ گئے چنانچہ ان کا شمار ابن عباسؓ کے خاص شاگردوں میں ہونے لگا۔ یہ تابعین کے سر برآوردہ لوگوں میں سے اور مکہ کے فقہار اور مفتیوں میں سے ہیں۔

یہ مدرسہ مسلسل قائم رہا اور ایک طبقہ کے لوگ دوسرے طبقہ کے لوگوں سے برابر یہاں علم حاصل کرتے رہے۔ اگر ہم ہر طبقہ کے مشہور علماء کو شمار کرانا اور ان کی زندگی کے کوائف بیان کرنا شروع کریں تو بات بہت لمبی ہو جائے گی۔ البتہ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ مکہ مکرمہ کے پانچویں طبقہ کے مشہور لوگوں میں سے سفیان ابن عینیہ اور مسلم ابن خالد زنجی ہیں اور یہ دونوں آزاد شدہ غلاموں میں سے تھے۔ ان دونوں حضرات ہی سے امام شافعی قرشی نے اپنے ابتدائی دور میں علم حاصل کیا تھا، امام شافعی کی پیدائش غزہ میں ہوئی تھی۔ یہ چھوٹے ہی تھے کہ ان کی والدہ ان کو مکہ مکرمہ میں لے آئیں۔ مکہ کے دیہات میں انھوں نے عربی

---

؎ ذہبی نے طاؤس کو یمن کے علمار فقہار اور مفتیوں میں شمار کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ اتفاقاً ان کی موت مکہ میں واقع ہو گئی جبکہ وہ حج کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ابن سعد نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ مگر ہم نے ابن القیم الجوزی کے قول کو اختیار کیا ہے جس میں انھوں نے طاؤس کو مکہ کے فقہار اور مفتیوں میں سے شمار کیا ہے۔

ادب کی تعلیم پائی جہاں وہ عربوں کے اشعار یاد کرتے اور زبان دانی کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ کے مدرسہ میں آگئے جہاں انھوں نے حدیث اور فقہ کی تعلیم مذکورۂ بالا علماء سے پائی۔ آپ کی عمر بیس سال کے لگ بھگ تھی کہ اس کے بعد آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تاکہ اپنی تعلیم کو مکمل کر سکیں۔

**مدینہ کا مدرسہ**

میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ علم کی کثرت اور دور دراز شہرت میں مدینہ کا مدرسہ اپنا جواب نہیں رکھتا تھا اور اس کا سبب بھی بیان کر چکا ہوں۔ یہاں کے بہت سے علماء صحابہ کو بڑی شہرت حاصل تھی۔ مثلاً حضرت عمرؓ حضرت علیؓ۔ لیکن جو لوگ امتیازی طور پر اس میں شہرت رکھتے تھے اور جو علمی زندگی کے لئے مخصوص ہو کر رہ گئے تھے نیز جن کے شاگرد اور اصحاب بکثرت ہوئے ان میں سے حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمر بن الخطابؓ تھے۔ لیکن یہ دونوں حضرات اپنے علمی رجحان میں ایک دوسرے سے الگ اور ممتاز تھے۔ زید بن ثابتؓ انصاری ہیں۔ حضور اکرم صلعم کے ساتھ بچپن سے رہے اور سُریانی اور عبرانی زبانوں کا علم حاصل کیا لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں کہ وہ ان دونوں زبانوں کی ثقافت سے کس حد تک بہرہ یاب تھے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ انھوں نے یہودی زبان (عبرانی) پندرہ دن میں اور سُریانی زبان سترہ دن میں سیکھ لی تھی۔ لیکن یہ بہت کم مدت ہے جو کسی زبان کا ماہر بننے اور اس کے ادب کو سمجھنے کی قدرت حاصل کرنے کے لئے بہت ہی ناکافی ہے۔ تو کیا وہ اس کے بعد بھی ان دونوں زبانوں کو سیکھتے رہے تا آنکہ دونوں زبانوں کے لٹریچر پر انھیں پوری دسترس حاصل ہو گئی؟ یہ بات ہم نہیں جانتے۔ اسلامی تعلیمات کو سمجھنے کی ان میں بڑی استعداد تھی اور کتاب و سنت اور اجتہاد سے جب کسی مسئلہ میں کتاب و سنت میں کوئی حکم موجود نہ ہو مسائل و احکام کے استنباط پر بھی ان کو بڑی قدرت تھی حتیٰ کہ سلیمان بن یسار کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ قضاء، فتویٰ، فرائض اور قرأت میں زید بن ثابتؓ پر کسی دوسرے کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔ قاسم نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ جب کبھی سفر میں باہر جاتے تو زید بن ثابت کو اپنا نائب بنا کر جایا کرتے تھے۔ باقی لوگوں کو وہ متفرق شہروں میں بھیج دیتے تھے۔ مگر زید بن ثابتؓ کو کہیں نہیں بھیجتے تھے۔ بسا اوقات متعین اشخاص کے متعلق فرمائشیں ہوتی تھیں کہ انھیں فلاں مقام میں بھیج دیا جائے۔ چنانچہ زید بن ثابتؓ کا نام لے کر فرمائشیں کی جاتی تھیں تو حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اب تک زید بن ثابتؓ کا بدل نہیں مل سکا۔ مختلف ممالک کے لوگوں کو حضرت زید کی ضرورت پڑتی رہتی ہے کیونکہ جو حادثات دن بدن پیش آتے رہتے ہیں ان کا حل انھیں زید بن ثابت کے پاس مل جاتا ہے اور دوسرے لوگوں کے پاس نہیں ملتا، اس لئے ان کا مرکز میں رہنا ضروری ہے۔ قبیصہ کا بیان ہے کہ زید بن ثابت مدینہ منورہ میں حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے تک بلکہ حضرت علیؓ کے مدینہ منورہ میں رہنے تک اور اس کے بعد بھی پانچ سال تک قضاء، فتویٰ، قرأت اور فرائض میں رئیس العلماء شمار ہوتے تھے۔ یہی صورت اس وقت تک باقی رہی کہ ۴۰ھ میں حضرت امیر معاویہ خلیفہ ہو گئے۔ چنانچہ امیر معاویہؓ کے عہد میں بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تا آنکہ حضرت زیدؓ کا ۴۵ھ میں انتقال ہو گیا۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت زید بن ثابت کی رکاب پکڑ کر چلا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں اپنے علماء اور بزرگوں کے ساتھ اس طرح پیش آنا چاہیئے۔ وہ ریاضی عقل کے مالک تھے اس وجہ سے فرائض (میراثوں اور ان کی تقسیم) کے سب سے بڑے ماہر شمار ہوتے تھے۔ یرموک میں غنائم کی تقسیم انہی کے سپرد کی گئی تھی۔ خلاصۂ بحث یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت بیک عالم اور فقیہہ دونوں کی

خصوصیات بیک وقت جمع ہوگئی تھیں۔ ان کی معلومات بہت وسیع تھیں اور مسائل کے استنباط پر زبردست قدرت رکھتے تھے۔ جہاں کوئی روایت نہیں ملتی تھی وہاں وہ اپنی رائے سے فیصلہ کرتے تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ان کے انتقال پر حضرت حسان بن ثابتؓ نے ان کا مرثیہ کہا تھا جس میں وہ کہتے ہیں۔

فَمَنْ لِلْقَوَافِیْ بَعْدَ حَسَّانَ وَابْنِہٖ
وَمَنْ لِلْمَعَانِیْ بَعْدَ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٖ

(حسان اور اس کے بیٹے کے بعد اشعار کون کہہ سکے گا اور زید بن ثابت کے بعد مسائل کا استنباط کون کرے گا)۔ اس شعر میں "معانی" یعنی مسائل کا لفظ جو حضرت حسانؓ نے رکھا ہے دراصل یہی وہ امتیاز ہے جو حضرت زید بن ثابتؓ کو حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے ممتاز کرتا ہے حضرت عبداللہؓ صرف ایک عالم تھے۔ وہ حدیثوں کو جمع کرتے، انھیں بیان کرتے اور لکھتے تھے۔ لیکن فتویٰ دینے اور اجتہاد کرنے سے گریز فرماتے تھے۔ یہ دونوں رجحانات پہلو بہ پہلو ایک عرصۂ دراز تک چلتے رہے ہیں جس کا بیان آگے آرہا ہے۔

ان علمائے صحابہ کے فیضانِ صحبت سے بہت سے علمائے تابعین فیضیاب ہوئے جن میں سے مشہور ترین سعید بن المسیب ہیں ـــ سعید بن المسیب زید بن ثابت کے شاگردوں میں سے تھے۔ انھیں ان کے فیصلے اور فتوے بہت یاد تھے اور وہ ان کے قول کو دوسرے صحابہ کے اقوال پر ترجیح دیتے تھے ـــ اور عروہ ابن الزبیر ابن العوام ہیں۔ یہ اہلِ مدینہ کے بزرگ ترین عالم اور زاہد شمار ہوتے تھے۔ اسی طبقہ سے ابن شہاب زہری قرشی نے کسب علم کیا تھا، ابن شہاب زہری کو علمائے مدینہ کی فقہ اور حدیث پر عبور تھا۔ یہ ان علماء میں سے ہیں جنھوں نے تدوینِ علم کی جانب سب سے پہلے توجہ فرمائی، انھیں اکثر خلفائے بنی امیہ کے ساتھ وابستگی بھی رہی جو ان کا بڑا ادب واحترام کرتے تھے، مثلاً عبداللہ بن مروان اور ہشام وغیرہ۔ یزید بن عبدالملک نے ان کو قاضی بنا دیا تھا، عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ تمھیں گذشتہ سنت کا اُن سے زیادہ جاننے والا کوئی اور شخص نہیں ملے گا۔ بالآخر اس علمی مدرسہ نے مالک بن انس ـــ امام دارالہجرۃ ـــ جیسی ہستی کو جنم دیا۔

---

اس جلیل القدر حیاتِ علمی کے پہلو بہ پہلو جو ہمیں طبقات المحدثین۔ طبقات الفضلاء اور طبقات المفتیین سے متعلق کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ حجاز میں ایک دوسری قسم کی زندگی بھی لوگوں کے اذہان پر چھائی ہوئی تھی۔ اس زندگی کو فرح وسرور، اور طرب وشرب کی زندگی کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ اس زندگی کو عرب کے لٹریچر کی کتابیں، خصوصیت کے ساتھ کتاب الاغانی پیش کرتی ہیں۔ درست طریقہ یہی ہوگا کہ ہم اس عہد کی تصویر کشی اس کی تمام جہتوں سے کریں کہ یہ دور کیسا تھا۔ حجاز میں زہد، ورع، تقویٰ، حدیث اور فقہ تھا۔ مگر ساتھ ہی حجاز میں۔ شراب، عورتوں کے ساتھ تشبیب اور غزل بھی ـــ حتیٰ کہ موسم حج بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھا ـــ اور بکثرت لہو ولعب بھی پایا جاتا تھا۔ جیسا کہ پہلی قسم کی زندگی نے بکثرت علم وفقہ پیدا کیا، اسی طرح دوسری قسم کی زندگی نے راگ رنگ، نادرہ گوئی اور ادب میں عجیب وغریب فنون کو جنم دیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ فن حجاز میں بھی اسی طرح فائق تھا جس طرح عراق اور شام میں تھا۔

---

....جیسا کہ بظاہر نظر آتا ہے۔ مکہ اور مدینہ اور ان کے اطراف و جوانب گانے والوں اور گانے والیوں سے بھرے پڑے تھے حتیٰ کہ ابو الفرج نے بیان کیا ہے کہ گانے والے حج کے لئے قافلے بنا بنا کر نکلتے تھے۔ ایک زمانہ میں چار بڑے بڑے مغنی شہرۂ آفاق تھے۔ ابن سریج، غریض، محیلا، اور حنین۔ ان میں اول الذکر تینوں حجاز میں تھے اور آخری تنہا عراق میں۔ اول الذکر تینوں گانے والے کسی مقام پر اکٹھے ہوئے اور آپس میں گفتگو کی۔ بالآخر ان تینوں نے حنین کو ایک دعوت نامہ بھیجا جس میں لکھا تھا کہ "ہم تو تین ہیں اور آپ تنہا ہیں۔ اس لئے یہی بہتر ہوگا کہ ہم سے ملنے کے لئے آپ حجاز تشریف لائیں۔ چنانچہ حنین ان کی اس دعوت کے جواب میں حجاز گئے۔ اور وہاں سکینہ کے مکان میں چاروں گویّے اکٹھے ہوئے۔ جب یہ لوگ گھر میں آ گئے تو لوگوں کو اذن عام دیدیا گیا تھا۔ لوگوں نے اس قدر ہجوم کیا کہ گھر میں تل دھرنے کو جگہ نہیں رہی بالآخر لوگ مکان کی چھت پر چڑھ گئے تاکہ ان چاروں کا گانا سن سکیں۔ لوگوں کی اس قدر کثرت ہوئی کہ محل کی چھت گر پڑی اور بے شمار لوگوں کے ساتھ اس حادثہ میں حنین بھی مر گیا۔[1] ایک زمانہ میں مشہور گویّوں اور گانے والیوں میں سے بعض حجاز میں جمیلہ، ہیت، طویس، دلال، برد الفواد، نومۃ الضحیٰ، رحمت، ہبۃ اللہ، سعید، مالک، ابن عائشہ، نافع ابن طنبورہ، عزّۃ، المیلاء، حبابہ، سلامہ، بلبلہ، لذۃ العیش، سعیدہ، زرقا وغیرہ جیسے لوگ موجود تھے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ یہ سب گانے والے اور گانے والیاں حج کرنے کے لئے آئے تو مکہ میں ان سے سعید بن مسجح اور ابن سریج، غریض اور ابن محرز کی ملاقات ہوئی اور مکہ کے نوجوان مرد اور عورتیں ان کی خوشنمائی اور خوبصورتی کو دیکھنے کے لئے شہر سے باہر نکل آئے تھے......الخ[2]

ابو الفرج کہتے ہیں: "لوگ جمیلہ کے پاس جمع تھے اس نے اپنا ستار چھیڑا اور اپنی تمام باندیوں کو اپنے قریب بٹھا لیا۔ جمیلہ نے اور سب باندیوں نے اپنے اپنے ستار چھیڑ دیئے۔ سب نے پچاس تاروں پر ستار بجائے کہ گھر میں زلزلہ آ گیا۔ اس کے بعد جمیلہ نے عود پر گانا شروع کیا اور سب کی سب باندیاں اس کے تال و سُر کے مطابق ستار بجاتی رہیں۔[3] (نیچے حاشیہ پر طلوعِ اسلام کا نوٹ ملاحظہ کیجئے)

---

[1] ملاحظہ ہو اغانی صفحہ ۱۳۲-۱۳۳ ج ۲ [2] یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ اغانی صفحہ ۱۲۸ ج ۲ اور اس کے بعد کے صفحات میں مذکور ہے۔
[3] اغانی صفحہ ۱۳۲ ج ۲ نیز صفحہ ۵۹ ج ۴ صفحہ ۳۰ ج ۶ و صفحہ ۱۴۳ ج ۲۔

---

**طلوعِ اسلام** یہ ہیں وہ مقامات جہاں ہم کہا کرتے ہیں کہ ہمیں اپنی تاریخ کو صحیح اور مستند تسلیم کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لینا چاہیئے جس زمانے کا ذکر اوپر کیا گیا ہے وہ تابعین کا دور ہے۔ حتیٰ کہ جنابہ سکینہ امام حسینؓ کی صاحبزادی ہیں۔ اگر تاریخ کے ان بیانات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو آپ غور فرمائیے کہ بات کہاں تک جا پہنچتی ہے۔ ایسے مقامات پر ہمارا ردِّ عمل تو یہی ہوتا ہے کہ تاریخ کے یہ بیانات صحیح نہیں۔ لیکن جو حضرات اس دور کی تاریخ کے صحیح ہونے پر اس شدت سے اصرار کرتے ہیں۔ ان سے پوچھنا چاہیئے کہ پہلی صدی ہجری ہی میں (خود) مکہ اور مدینہ کا جو نقشہ اوپر کھینچا گیا ہے اس کے متعلق ان کا کیا ارشاد ہے؟

## فن موسیقی میں حجاز کی فوقیت

موسیقی میں مکہ کے فن کاروں کا الگ انداز تھا اور مدینہ کے فن کاروں کا الگ۔ اور فریقین میں مقابلہ ہوتا رہتا تھا۔ لوگوں کو گانا سننے کی طرف کافی رجحان تھا۔ حتیٰ کہ ابو الفرج کا بیان ہے کہ ابو الملک کو یہ شکایت لکھی گئی کہ مکہ مکرمہ میں ایک حبشی موسیقار ہے جس کا نام سعید بن مسجح ہے۔ اس نے قریش کے نوجوانوں کو بگاڑ رکھا ہے اور لوگ اس پر اپنی بے شمار دولت خرچ کرتے رہتے ہیں۔ عبد الملک بن مروان نے مکہ کے گورنر کو حکم دیا کہ اس موسیقار کے تمام اموال ضبط کر لئے جائیں اور اسے گرفتار کر کے عبد الملک کے حضور میں بھیج دیا جائے[1]۔ نیز امام مالکؒ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ خود بیان فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ہوش سنبھالا تو ابھی نو عمر ہی تھا کہ میں مغنیوں کے پیچھے لگ گیا اور ان سے گانا سیکھنا شروع کر دیا۔ ایک روز میری والدہ نے مجھے نصیحت فرمائی کہ "بیٹا! گویا اگر بد صورت ہو تو لوگ اس کے گانے کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ لہٰذا تم گانے کا شغلہ چھوڑ دو اور اس کے بجائے فقہ حاصل کرو کیونکہ فقہ کے ساتھ بد صورتی کچھ نقصان نہیں دیتی۔ یہ بات میری سمجھ میں آ گئی اور میں نے مغنیوں کا پیچھا چھوڑ دیا اور فقہاء کے پیچھے لگ گیا تا آنکہ خدا نے مجھے اس مرتبہ تک پہنچا دیا جس پر تم مجھے آج دیکھ رہے ہو[2]۔

موسیقی کے ساتھ ساتھ نادرہ گوئی اور لطیفہ اندوزی کو بھی کافی ترقی ہوئی۔ چنانچہ ناصری۔ مدینہ والوں کا مشہور نادرہ گو تھا جو اپنی لطیفہ گوئی سے ان کو ہنساتا رہتا تھا۔ ناصری کے بعد اشعب اس کا جانشین ہوا جس نے اپنے نوادرات اور لطائف و ظرافت سے تمام حجاز میں قبولیت حاصل کر لی۔ اس نے جس طرح اپنی خوش آوازی سے مدینہ والوں کو فیضیاب کیا اسی طرح لٹریری کتابوں میں لوادات کے عمدہ نمونے بھی چھوڑ گیا جن کو دہرا دہرا کر اہل مدینہ اپنی مجلسوں میں ہنستے ہنساتے رہتے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ حجاز موسیقی اور نادرہ گوئی دونوں فنون میں اسی طرح امتیازی درجہ کا مالک تھا جس طرح فقہ اور حدیث میں تھا۔ امرائے بنی امیہ کے محلات شاہی کے اکثر موسیقار اور ان کے جانشین زیادہ تر وہی تھے جنھوں نے حجازی اسکول میں اس فن کی تربیت حاصل کی تھی۔ اس پر تو کوئی تعجب نہیں کہ حجاز میں فقہ اور حدیث کی کثرت کیوں ہوئی کیونکہ اس کی وجوہات ہم بیان کر چکے ہیں لیکن یہ چیز ضرور حیرتناک ہے کہ حجاز فن موسیقی اور اس کے متعلقات میں بھی عراق اور شام پر فوقیت رکھتا تھا۔ کیونکہ ذہن میں زیادہ تر یہی چیز آتی ہے کہ عراق جو پہلے ہی سے، مختلف تہذیبوں کا وارث تھا یا شام جو اہل روما کی تہذیب میں رنگا جا چکا تھا۔ عمدہ موسیقی اور دوسری لہو و لعب کی چیزوں میں حجاز پر فوقیت رکھتے۔ اور حجاز — جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں — عراق اور شام کے برعکس بادیہ نشینی سے زیادہ قریب تھا۔ عراق اور شام سے جب اس کا مقابلہ کیا جائے تو حجاز ایک ویران اور ریگستان ہی نظر آتا ہے۔ تو آخر اس میں کیا راز ہے کہ موسیقی جیسی چیزوں نے جو خالص تہذیب و تمدن کی پیداوار ہیں حجاز میں ترقی پائی؟

شاید اس کی وجہ یہی ہو جو کتابوں کے دوران ہمیں نظر آتی ہے کہ اہل حجاز کی طبیعت میں ظرافت اور شعور میں لطافت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس عہد میں اہل عراق اور اہل شام پر موسیقی وغیرہ میں فوقیت رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ حجاز کے فقہاء بھی عراق کے فقہاء کے مقابلہ میں زیادہ

---

[1] اغانی ص ۳۰۳ ج ۳  [2] اغانی ص ۳۹ ج ۴

## اہل حجاز کی وسیع القلبی اور تسامح

وسیع القلب تھے۔ وہ موسیقی اور عشقیہ معاملہ بندی میں زیادہ تسامح اور چشم پوشی سے کام لیتے تھے حالانکہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اہل عراق میں دینی معاملات کے اندر کافی تشدد تھا یہ تشدد ایران کی پیداوار تھی۔ اغانی میں ہے کہ عبیداللہ ابن عمر عمری نے بیان کیا کہ "میں حج کے ارادہ سے نکلا راستہ میں میں نے ایک خوبصورت عورت کو دیکھا جو اس قسم کی باتیں کر رہی تھی جو بڑی حد تک شہوت انگیز تھیں۔ میں نے اپنی اونٹنی اس سے قریب کی اور کہا۔ اے خدا کی بندی! کیا تو حج کرنے کے لئے نہیں جا رہی ہے؟ کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتی! اس پر اس نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دی۔ اس کا چہرہ حسن میں آفتاب کو بھی شرماتا تھا۔ وہ کہنے لگی چچا جان! غور تو فرمایئے۔ میں ان عورتوں میں سے ہوں جن کے بارہ میں عربی شاعر اپنے اس قسم کے اشعار کہہ گیا ہے۔

مِنَ اللَّاءِ لَمْ يَحْجُجْنَ يَبْغِيْنَ حِسْبَةً
وَلٰكِنْ لِيَقْتُلْنَ الْبَرِيْءَ الْمُغَفَّلَا

وہ ان عورتوں میں سے ہے جو ثواب کمانے کے لئے حج نہیں کرتیں بلکہ اس لئے حج کرتی ہیں کہ کسی سادہ لوح اور بےگناہ کو قتل کر دیں۔

عبیداللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس جیسے چہرہ کو تو آگ کا عذاب نہ دے۔ یہ بات جب سعید بن المسیب (مفتی مدینہ) تک پہنچی تو وہ فرمانے لگے کہ اگر کوئی عراقی تنگ نظر اور تنگ مزاج ہوتا تو اس سے کہتا۔ دور ہو خدا تیرا ناس کرے۔ لیکن یہ حجاز کا کوئی زاہد ہوگا کہ اس حد تک بھی اس کی خوش مزاجی باقی رہی[1]۔

روایت ہے کہ سعد بن ابراہیم نے —— جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کے مقدمات کے فیصلے کیا کرتے تھے —— داؤد بن سلم کو کوڑوں کی سزا دی کیونکہ انھوں نے داؤد کو رنگین کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تھا جنھیں وہ نخر و غرور کے ساتھ لٹکا لٹکائے پھرتا تھا۔ اس پر کسی شاعر نے کہا۔[2]

جَلَدَ الْعَادِلُ سَعْدٌ ابْنَ سَلْمٍ فِي السَّمَاجَةِ
فَقَضَى اللّٰهُ لِسَعْدٍ مِنْ أَمِيْرٍ كُلَّ حَاجَةٍ

(منصف مزاج سعد نے ابن سلم کے نخر و غرور کی بنا پر کوڑے مارے۔ خدا سعد جیسے امیر کی ہر ضرورت کو پورا فرمائے)

اغانی میں عبیداللہ ابن عبداللہ بن عتبہ کا حال پڑھئے جو مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں۔ غزل میں ان کے پر ظرافت اشعار آپ کو بکثرت مل جائیں گے۔

---

۱؎ اغانی ص ۱۲۱ ج ۱۷ ۲؎ اغانی ص ۹۶ ج ۸

داؤد ثقفی سے ایک دوسرے مقام پر بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہم ابن جریج کے حلقہ میں بیٹھے تھے جو ہم سے حدیثیں بیان کر رہے تھے۔ ان کے پاس بڑے بڑے لوگ بیٹھے تھے جن میں عبداللہ المبارک اور کئی دوسرے عراق کے فقہاء اور محدثین بھی تھے۔ یکایک سامنے سے ابن میزن مغنی ..... کا گذر ہوا ابن جریج نے اسے بلا لیا اور اس سے کہا کہ بھیا کچھ گانا تو سناؤ۔ ابن میزن نے معذرت کی کہ میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں مگر ابن جریج نے ایک نہیں مانی اور برابر اصرار کرتے رہے۔ آخر اس نے گانا سنایا اور کہنے لگا کہ اگر تمہارے پاس یہ بوجھل لوگ بیٹھے نہ ہوتے تو میں دیر تک بیٹھتا حتیٰ کہ تمہارا شوق پورا کر کے اٹھتا اس پر ابن جریج حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر حیرت سے پوچھنے لگے کہ کیا تم لوگوں کو میرا یہ فعل ناپسند ہوا ہے؟ اس پر لوگوں نے کہا کہ ہم لوگ عراق میں واقعی اسے ناپسند اور مکروہ سمجھتے ہیں۔ ابن جریج نے کہا کہ رجز گوئی کے بارہ میں تمہارا کیا خیال ہے اور حدی خوانی کے متعلق کیا کہتے ہو؟ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے نزدیک اس میں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ابن جریج نے کہا کہ آخر رجز اور حدی خوانی اور موسیقی میں کیا فرق ہے[1]؟

اغانی ہی کا بیان ہے کہ حنین مغنی شام کی طرف گیا اور وہاں کچھ نوجوانوں کے ساتھ ایک محفل میں اکٹھے بیٹھنا ہوا۔ اس نے ان نوجوانوں کو تمام راگوں میں گانا سنایا مگر ان لوگوں کو نہ کچھ مزہ آیا اور نہ وہ خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ کاش ابو منبہ ہوتا۔ چنانچہ ابو منبہ کو بلایا گیا تو اس نے فنی اعتبار سے نہایت ہی گرا ہوا گانا گایا مگر حاضرین مجلس اس پر لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ حنین نے قسم کھائی کہ وہ کسی قیمت پر بھی اس شہر میں رات نہیں گزارے گا اور اسی وقت وہاں سے چلا آیا[2]۔

### اس کی وجوہ

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حجاز میں عربوں کی ارستقراطیت (Aaristocracy) قائم تھی۔ یہ لوگ فاتح عنصر تھے۔ یہاں کے امراء کے حصہ میں بہترین باندیاں آتی تھیں جو نسب کے لحاظ سے بلند ترین تھیں اور ادب اندازی میں دوسری تمام باندیوں پر فوقیت رکھتی تھیں۔ ان میں وہ باندیاں بھی تھیں جنھوں نے بادشاہوں اور امراء کے محلات میں تربیت پائی تھی۔ اور آداب تمدن سے اچھی طرح آراستہ و پیراستہ تھیں۔ اُن باندیوں نے اپنی تمام باتیں حجاز میں منتقل کیں اور انھیں عربیت کے رنگ میں خوبصورتی کے ساتھ رنگ دیا۔ حجاز میں موسیقی کا اسکول قائم کرنے میں ان باندیوں ہی کو سبقت اور فضیلت حاصل تھی۔

ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بادیہ نشین قوم جب متمدن ہو جاتی ہے اور زندگی کی فراغبالیاں اس کے حصہ میں آتی ہیں تو وہ لہو و لعب میں اسراف کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کی حالت ویسی ہی ہوتی ہے جیسے کسی کو فقر و فاقہ کی زندگی گزارنے کے بعد کہیں سے پڑی ہوئی دولت ہاتھ لگ جائے۔

نیز یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ بنو امیہ نے خلافت کو اپنی لونڈی بنا لیا اور اسے اپنے اندر بلکہ بنو امیہ کے بھی ایک مخصوص گھرانے میں منحصر کر لیا تھا۔ قریش کے دوسرے خاندانوں کو اس کا کوئی حق باقی نہیں رہ گیا تھا۔ ان کے لئے سیاسی احوال و ظروف پر غور و فکر کرنا بھی ممنوع تھا۔ ملک شام تو خلفائے بنو امیہ کا مؤید تھا اور عراق مخالف عنصر تھا۔ حجاز کے نوجوان اپنے بے اندازہ مال و دولت اور عزت و شان کے ساتھ امارت، خلافت، اور سیاست کے بجائے لہو و لعب میں مصروف رہنے پر مجبور تھے۔ چنانچہ ان کے مشاغل

[1] الاغانی ص ۱۰۷، ج ۱ [2] یہ پوری حکایت الاغانی میں ص ۱۱۹ ج ۷ پر موجود ہے۔

ظرافت، گانا، شراب، عشق و محبت اور معاملہ بندی کے اسباب ہی رہ گئے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سارے اسباب ہی مندرجہ بالا حالات پیدا کرنے کے موجب بنے تھے۔ اس قسم کی زندگی کے اثرات ادب اور لٹریچر پر بھی بہت گہرے تھے لیکن یہاں ان اثرات کو بیان کرنے کا موقع نہیں ہے۔

## عراق

دجلہ اور فرات کی وادی میں جنوبی حصہ کی جانب واقع ہے جس کی زمین سرسبز اور زرخیز، پانی بکثرت اور فضا معتدل ہے۔ یہ حصہ آبادی، اور مدنیت میں تمام روئے زمین سے سبقت رکھتا ہے۔ پرانے زمانہ میں بھی تقریباً تین ہزار سال قبل مسیح سے لے کر پے در پے متمدن قومیں ہی اس حصۂ زمین پر حکمراں رہیں۔ بابلی، اشوری، کلدانی، ایرانی اور یونانی تمام قوموں نے عراق میں مختلف سلطنتیں قائم کیں جن کا رنگ ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ ان کی تہذیب ایک مینارۂ نور تھی جس کی شعاعیں آس پاس کے ملکوں پر بھی پڑتی رہتی تھیں۔

پرانے زمانہ میں عرب کے لوگ بھی اس سرزمین سے واقف تھے چنانچہ بکر اور ربیعہ کے قبائل نے اس سرزمین پر قدم رکھا اور اپنی حکومت وہاں قائم کرلی۔ یہ حیرہ میں مناذرہ کی حکومت کہلاتی تھی —— اس حکومت کا بیان ہم گذشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ پھر اسلام کے بعد حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں عربوں نے دوبارہ اس زمین پر قبضہ کیا اور اس میں بصرہ اور کوفہ جیسے شہر بسائے جو بہت جلد عظیم الشان شہر بن گئے۔ مدائن کے خزانے اور بابل اور حیرہ کا تمدن یہاں منتقل ہوگیا۔ بنوامیہ کے عہد حکومت میں عراق کی مدنیت انہی دونوں شہروں میں مرتکز ہوگئی تھی۔ حتیٰ کہ جب عراق کا لفظ بولا جاتا تھا تو اس سے مراد بصرہ اور کوفہ کے شہر ہی ہوتے تھے بلکہ بسا اوقات ان پر عراقین کا لفظ بول دیا جاتا تھا۔

جب عراق فتح ہوگیا اور عربوں نے اس کی دولت کا حال سنا تو وہ عراق کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ طبری میں ہے کہ۔ عتبہ نے

## عراق کی طرف عربوں کا رجحان

انس بن حجیہ کو حضرت عمرؓ کے پاس دست میسان کے مرزبان کا پٹکا دے کر بھیجا تو حضرت عمرؓ نے انس سے پوچھا کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے تو انس نے جواب میں کہا کہ دنیا ان پر اُمنڈ آئی ہے۔ وہ وہاں سونا چاندی انڈیل رہے ہیں۔ لوگوں کو یہ سُن کر بصرہ کی طرف جانے کی رغبت بڑھ گئی اور لوگوں نے روانگی شروع کردی۔ حضرت عمرؓ نے عراق کی زمین اہل عراق کے پاس ہی رہنے دی البتہ زمینوں پر خراج مقرر کردیا۔ چنانچہ ایک جریب[1] کھجوروں پر دس درہم اور ایک جریب انگور پر آٹھ درہم اور ایک جریب گیہوں پر چار درہم اور ایک جریب جو پر دو درہم مقرر تھے۔ مورخین کے بیان کے مطابق حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں عراق کا خراج ایک سو ملین درہم تک پہنچ گیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اہل عراق پر جزیہ لگایا چنانچہ جن لوگوں پر جزیہ لگایا گیا تھا ان کی تعداد ۵۰۰۰۰۰ تھی۔ جزیہ کی مقدار مختلف تھی۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے —— سالانہ ۴۸ درہم، ۲۴ درہم، اور ۱۲ درہم حسب حیثیت مقرر کیا جاتا تھا۔ اس سے آپ عراق کی ثروت اور زرخیزی کا کچھ اندازہ کر سکتے ہیں۔ یہی وہ چیز تھی

---

[1] ایک جریب کھجوریں اتنی ہوتی ہیں کہ جو ۳۶۰۰ ذراع مربع میں آجائیں۔

جس کی وجہ سے عرب کے لوگ یہاں کی سکونت کو پسند کرتے تھے۔

## مگر قبائلی عصبیت باقی رہی

عرب کے لوگ عراق میں آکر آباد ہوئے مگر اُن کے پہلوؤں میں قبائلی عصبیت اور فاتحانہ استقراطیت (Aristocracy) موجود تھی۔ قبائلی عصبیت کا مظاہرہ تو یوں ہوا کہ بصرہ اور کوفہ میں ہر قبیلے کے آباد ہونے کے لئے الگ الگ لائینں لگائی گئیں۔ چنانچہ مثال کے طور پر کوفہ کے دو حصے کئے گئے۔ ایک مشرقی حصہ تھا ــــ اور یہ بہترین حصہ تھا ــــ اور دوسرا مغربی حصہ تھا۔ اس کے بعد قرعہ اندازی کی گئی کہ بہترین حصہ کس کے قبضہ میں آئے یمنیوں کے حصہ میں آئے یا نزاریوں کے حصہ میں۔ مشرقی حصہ یمن والوں کے قبضہ میں آیا اور مغربی حصہ نزار والوں کے قبضہ میں۔ اس کے بعد ہر فریق نے اپنے اپنے قبیلوں کے مطابق اپنے حصہ کے زمین پر نشانات لگائے[1]۔ شعبی کا بیان ہے کہ کوفہ میں یمن کے لوگ نزاریوں کے مقابلہ میں زیادہ تھے۔ چنانچہ یمنی بارہ ہزار تھے اور نزاری آٹھ ہزار[2]۔ یہ عصبیت شدید نزاع کا باعث تھی۔ جیسا کہ آپ گذشتہ اوراق میں دیکھ چکے ہیں ــــ چنانچہ ہم ابن ابی الحدید وغیرہ سے نقل کر چکے ہیں ــــ کوفہ کے عرب جب بصرہ کے عربوں سے جنگ کرتے تھے تو ہر قبیلہ ایک طرف اکٹھا ہو جاتا تھا اور دوسری جانب اپنے ہی قبیلے سے جنگ لڑتا تھا۔ چنانچہ کوفہ کے یمنی بصرہ کے یمنیوں سے جنگ کرتے اور کوفہ کے ربیعہ والے بصرہ کے ربیعہ والوں سے جنگ لڑتے اور کوفہ کے مضری بصرہ کے مضری لوگوں سے مقابلہ کرتے تھے[3]۔

رہ گئی فاتحانہ استقراطیت (Aristocracy) تو اس کا مظہر عربوں کا وہ موقف تھا جو موالی کے مقابلہ میں ہوتا تھا۔ عراق کے باشندوں کی اکثریت ایرانیوں پر مشتمل تھی اور عرب یہاں اقلیت میں تھے۔ آپ دیکھ چکے ہیں کہ عراق میں جن لوگوں پر جزیہ لگایا گیا تھا ان کی تعداد پانچ لاکھ پچاس ہزار تھی۔ یہ تعداد ان ایرانیوں کے علاوہ تھی جو حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے اور جن پر جزیہ نہیں لگایا گیا تھا۔ یہ موالی عربوں کے حلیف تھے اور ان کی حمایت حاصل کرنے کے لئے اُن کے ولاء میں داخل ہو جاتے اور انہیں اپنا مالک اور آقا شمار کرتے تھے۔ ان میں سے ہر قوم اس عربی قبیلہ کے لئے تعصب رکھتی تھی جس کے وہ حلیف ہوتے تھے۔ چنانچہ بلاذری کا بیان ہے کہ اساورہ[4] قبیلہ ازد کے حلیف بن گئے تھے۔ اس کے بعد انھوں نے لوگوں سے پوچھا کہ قبیلہ ازد اور قبیلہ بنو تمیم میں سے کونسا قبیلہ نسب اور مدد کے اعتبار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء سے قریب تر ہے۔ انہیں بتایا گیا کہ بنو تمیم قریب تر ہیں چنانچہ اس کے بعد وہ بنو تمیم کے حلیف بن گئے۔ عراق میں سارے پیشے، صنعتیں اور تجارت وغیرہ ان موالی کے ہاتھ ہی میں تھی۔ البتہ حکمران عنصر جس کے ہاتھ میں جنگ اور صلح کی باگ ڈور تھی وہ عرب کے لوگ تھے۔

اس قبائلی عصبیت نے آگے چل کر اس شہر کی عصبیت کا رنگ اختیار کر لیا جس کی وہ سکونت رکھتے تھے۔ چنانچہ کوفہ کے عرب اور موالی کوفہ کے لئے تعصب رکھتے تھے اور بصرہ کے موالی اور عرب بصرہ کے لئے۔ ہر شہر والے زمین کی طبیعت اور

---

[1] ان نشانات پر قبائل کی تقسیم کا تفصیلی حال طبری ص ۱۹۲ ج ۴ مطبوعہ مصر اور بلاذری کی فتوح البلدان میں ملے گا۔ [2] فتوح البلدان ص ۲۷۶ طبع یورپ۔ [3] طبری ص ۲۰۰ ج ۵ [4] یہ ایران کے شہسواروں کی ایک قوم تھی جو بصرہ میں سکونت پذیر تھی۔ ان کے مقابلہ میں کوفہ کے اندر حامرہ تھے۔

اس کے جغرافیائی محل وقوع پر فخر کرتے تھے۔ اور اس پر بھی فخر کرتے تھے کہ ان کے ہاتھوں کتنے کتنے شہر فتح ہو چکے تھے۔ وہ اس پر بھی فخر کرتے تھے کہ رسول اللہ صلعم کے کتنے صحابہ ان کے ساتھ آکر آباد ہوئے تھے۔ ہر شہر والا دوسرے شہر والوں کو ان گمراہی کے داعیوں کا نام لے لے کر عار دلاتا تھا جو دوسرے شہر میں پیدا ہوئے تھے۔ اور آخر میں یہ لوگ علم اور مشاغل علمی پر بھی فخر کرتے تھے۔ یہ علمی مفاخرات و مناظرات نیز ہر شہر والوں کا اپنے علماء کے ساتھ تعصب، علم کی اکثر فروع میں نمایاں طور پر نظر آتا تھا۔ چنانچہ بصریوں اور کوفیوں کا یہ مقابلہ نحو میں فقہ میں، مذاہب دینیہ میں اور علم کلام میں اور ادب و لٹریچر میں نظر آتا ہے۔ اعشیٰ ہمدانی کہتا ہے۔

اِكْسَعِ الْبَصْرِيَّ اِنْ لَاقَيْتَهُ    اِنَّمَا يُكْسَعُ مَنْ قَلَّ وَ ذَلَّ
وَاجْعَلِ الْكُوفِيَّ فِي الْخَيْلِ وَلَا    تَجْعَلِ الْبَصْرِيَّ اِلَّا فِي النَّفَلْ
وَ اِذَا فَاخَرْتُمُونَا فَاذْكُرُوا    مَا فَعَلْنَا بِكُمْ يَوْمَ الْجَمَلْ
بَيْنَ شَيْخٍ خَاضِبٍ عُثْنُونَهُ    وَ فَتًى اَبْيَضَ وَضَّاحٍ رِفَلّ
جَاءَنَا يَخْطُرُ فِي سَابِغَةٍ    فَذَبَحْنَاهُ ضُحًى ذَبْحَ الْحَمَلْ
وَ عَفَوْنَا فَنَسِيتُمْ عَفْوَنَا    وَ كَفَرْتُمْ نِعْمَةَ اللهِ الْاَجَلّ

(کسی بصری سے تیرا ملنا ہو تو اس کے لات رسید کر۔ جو لوگ تعداد میں کم اور ذلیل ہوں ان کے لاتیں ہی رسید کی جاتی ہیں۔ کوفہ والوں کو سواروں میں شمار کر اور بصرہ والوں کو مال غنیمت میں۔ جب تم ہمارے مقابلہ میں فخر کرو تو یاد کر لیا کرو کہ جنگ جمل میں ہم نے تمہارے ساتھ کیا کچھ کیا تھا۔ وہ ایک بوڑھا آدمی جس کے سینہ کی لکیر خون میں لت پت ہو رہی تھی اور وہ سفید نوجوان جس کی سفیدی پھوٹی پڑتی تھی اور مستانہ وار چلتا تھا۔ وہ زرہ پہنے ہوئے اٹھلاتا ہوا ہمارے پاس آیا۔ ہم نے صبحدم اسے اونٹ کی طرح ذبح کر کے رکھ دیا۔ ہم نے تم لوگوں کو معاف کر دیا تھا مگر تم ہماری معافی کو بھول گئے اور خدائے بزرگ و برتر کے انعام کی ناشکری پر اتر آئے۔)

## علمی ثروت میں عراق کی فضیلت

بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ ــــ فی الجملہ ــــ عراق دوسرے اسلامی شہروں کے مقابلہ میں علمی اور ادبی ثروت میں سب سے بڑھا ہوا تھا۔ بشرطیکہ ہم ان بعض علمی فروع کا استثناء کر لیں جن میں اہل حجاز فوقیت رکھتے تھے ــــ عراق کی علمی ثروت کے بہت سے اسباب تھے جن میں سے اہم ترین یہ ہیں۔

(اول) عراق ــــ جیسا کہ ہمیں معلوم ہو چکا ہے ــــ اپنی قدیم تہذیبوں کی بنیاد پر قائم تھا۔ جن کے پاس علمی خزانے تھے یہ چیز قطعاً فطری تھی کہ اہل عراق فتح کے ہنگاموں سے فارغ ہونے کے بعد اپنی قدیم تہذیبوں کی بنیاد پر قائم تھا۔ جن کے پاس علمی خزانے تھے۔ یہ چیز قطعاً فطری تھی کہ اہل عراق فتح کے ہنگاموں سے فارغ ہونے کے بعد اپنی قدیم تہذیبوں کو واپس لانے اور اپنے موروثی علوم کو زندہ کرنے کے لئے اٹھتے۔ سریانی پہلے ہی سے سرزمین عراق میں پھیلے ہوئے تھے جن کے مدارس بھی تھے جہاں وہ یونانی علوم و آداب کی

درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ عراق میں بہت سے نصرانی فرقے بھی موجود تھے جو بہت سے عقائد میں —— جیسا کہ آپ دیکھ چکے ہیں۔ —— ایک دوسرے سے دست و گریبان رہتے تھے۔ حیرہ میں وہ یونانی بھی موجود تھے جو اپنی تہذیب میں گہرے رنگے ہوئے تھے۔ یہ یونانی ان گرفتارانِ جنگ میں سے تھے جو ایرانی اور یونانی جنگوں میں گرفتار ہو کر آئے تھے۔ یہ ضروری تھا کہ ان تمام مختلف عناصر کی موجودگی سے وہاں ایسی افکار و آراء، جو دورانِ جنگ میں سرد پڑ چکی تھیں از سرِ نو ابھر آئیں اور شہروں کی سیاست ایک قرار پر آجانے کے بعد پھر نمود کریں۔ اکثر اہلِ عراق اسلام میں داخل ہو چکے تھے جس کے نتیجہ میں ان افکار و آراء نے اسلامی رنگ اختیار کرنا شروع کر دیا چنانچہ وہ آراء و افکار ختم ہونے لگیں جو اسلام کے خلاف تھیں۔ اس پر اتنا اضافہ اور کر لیجئے کہ عراق —— جیسا کہ آپ دیکھ چکے ہیں۔ —— ایک زرخیز ملک تھا جس میں عیش و آرام کی بہت سی چیزیں مہیا تھیں لہٰذا وہاں کے باشندوں کو اتنا وقت مل سکتا تھا کہ وہ علمی مشاغل کی طرف توجہ دے سکیں۔

(دوم) شاید بنو امیہ کے عہد حکومت میں عراق تمام اسلامی ممالک میں سب سے زیادہ فتنوں اور جنگوں کا میدان تھا حضرت عثمانؓ کی شہادت کے فوراً بعد ہنگامہ فرو نہیں ہوا تھا کہ حضرت عائشہؓ طلحہؓ اور زبیر رضی اللہ عنہم بصرہ کی طرف گئے اور حضرت علیؓ کوفہ کی طرف۔ بصرہ اور کوفہ کے درمیان جنگِ جمل پیش آئی۔ امام حسینؓ کوفہ گئے اور وہیں شہید ہوئے۔ مختار ثقفی نے کوفہ میں امام حسینؓ کے خون کا انتقام لینے کے لئے بغاوت کی۔ مصعب ابن زبیرؓ بصرہ گئے اور وہاں سے کوفہ جا کر انھوں نے مختار کو قتل کیا۔ عبدالملک نے ایک لشکر بھیجا جو عراق گیا اور اس نے مصعبؓ کو قتل کیا۔ عبدالرحمٰن بن الاشعث نے کوفہ پر قبضہ کر لیا اور حجاج اس کی طرف روانہ ہوا جہاں جا کر اس نے عبدالرحمٰن کو شکست دی۔ ان تمام واقعات کا یہ فطری نتیجہ تھا کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے اس قسم کے سوالات کرتے کہ ان میں سے کونسا فریق برسرِ حق ہے اور کونسا برسرِ باطل؟ قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو شہید کرنے میں غلطی کی تھی یا انھوں نے ٹھیک کیا تھا؟ حضرت طلحہ، زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم کو حضرت علیؓ سے جنگ کرنے کا حق تھا یا نہیں؟ تحکیم (ثالث تسلیم کر لینے) کے معاملہ میں حضرت علیؓ نے درست اقدام کیا تھا یا غلط؟ کیا عبدالملک کے خلاف اس وجہ سے بغاوت کرنا درست ہے کہ اس کا گورنر حجاج ظلم کر رہا اور بلاوجہ خون بہا رہا ہے؟ کیا جن لوگوں نے اشعث کے ساتھ مل کر بغاوت کی انھوں نے ٹھیک کیا تھا یا غلط؟ یہ تمام سوالات جو اٹھائے جاتے تھے۔ اور اس کثرت سے اٹھائے جاتے تھے کہ مسجدوں میں اساتذہ کے اسباق کے دوران بھی اکثر یہ سوالات بحث کا موضوع بن جاتے تھے۔ چونکہ ان جنگوں کا میدان زیادہ تر سرزمین عراق تھی اس لئے اہلِ عراق اس قسم کے سوالات میں زیادہ الجھتے تھے۔ جس کا فطری نتیجہ تھا کہ عراق ہی زیادہ تر مذاہب دینیہ کا سرچشمہ بن گیا تھا۔ کیونکہ ان مذاہب نے زیادہ تر ان مسائل ہی پر اپنی بنیادیں رکھی تھیں —— تفصیلات آگے آرہی ہیں —— طبقات ابن سعد میں ہے کہ امام حسن بصری کے پاس جوان فتنوں اور جنگوں کے زمانہ میں سرکردہ علماء میں سے تھے کچھ لوگ آئے اور ان سے پوچھا۔ اے ابو سعید! اس سرکش (یعنی حجاج) کے بارہ میں آپ کیا فرماتے ہیں جس نے بلاوجہ خون بہایا، ناحق لوگوں کا مال قبضایا، نماز چھوڑی اور یہ کیا اور وہ کیا؟ ایسے ہی ایک آدمی نے امام حسن بصری سے پوچھا۔ ان فتنوں کے بارہ میں آپ کیا

کہتے ہیں جیسے یزید بن المہلب کا فتنہ اور ابن الاشعث کا فتنہ؟ امام حسن بصری نے جواب دیا کہ نہ اِن کا ساتھ دو نہ اُن کا۔ اس پر ایک شامی نے پوچھا کہ اے ابو سعید! کیا امیر المومنین کا بھی ساتھ نہ دیں؟ اس پر امام حسن بصریؒ کو غصہ آگیا اور اپنے ہاتھ جھٹک دیئے۔ اس آدمی نے پھر پوچھا کہ اے ابو سعید! کیا امیر المومنین کا بھی ساتھ نہ دیں؟ آخر حسن بصریؒ نے کہا۔ ہاں امیر المومنین کا ساتھ بھی نہ دو۔ غرضکہ اس قسم کی بہت سی مثالیں تاریخ سے مل سکتی ہیں۔

(سوم) عراق میں عرب بھی آباد تھے اور موالی بھی ۔۔۔ جیسا کہ آپ پہلے دیکھ چکے ہیں ۔۔۔ حکومت عربوں کے ہاتھ میں تھی۔ موالی مجبور تھے کہ وہ اپنے دین اور اپنی دنیا کے لئے عربی زبان سیکھیں۔ انہیں ایک ایسے علم کی بھی ضرورت تھی جس سے انہیں عربی زبان سیکھنا آسان ہو جائے۔ اس سے علم نحو کی بنیاد پڑی۔ یہ بات فطری تھی کہ علم نحو کی پیدائش عراق میں ہوئی نہ کہ حجاز اور شام میں۔ کیونکہ حجاز کو تو اس کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ وہ اپنی زبان کو درست کرنے کے لئے قواعد بنائیں۔ نیز عراق کے موالی کو بہ نسبت شام کے موالی کے عربی سیکھنے کا زیادہ شوق تھا۔ کیونکہ آپ دیکھ چکے ہیں کہ ایرانیوں کو عربی کی طرف دوسری تمام قوموں سے زیادہ رغبت تھی۔ نیز یونانی علوم و آداب اسلام سے پہلے ہی عراق میں موجود تھے جن کی اپنی نحو اور گریمر موجود تھی۔ لہٰذا ان کے لئے آسان تھا کہ سریانی قواعد کے نمونہ پر عربی زبان کے قواعد بھی بنا لیں۔ خصوصیت کے ساتھ اس لئے بھی کہ یہ دونوں زبانیں ایک ہی سامی اصل سے نکلی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ نحو کی ایجاد میں اول بصرہ والوں نے اور ان کے بعد کوفہ والوں نے سبقت کی اور بصرہ والے اس خصوصیت میں ہمیشہ فائق رہے کیونکہ وہ عرب کے صحرا سے زیادہ قریب تھے جبکہ کوفہ والے ان فصیح صحرائی باشندوں سے فاصلہ پر واقع تھے۔

اب ہم اختصار کے ساتھ بصرہ اور کوفہ میں شروع سے علمی حرکت کا جائزہ لیتے ہیں۔

**کوفہ** کوفہ میں رسول اللہ صلعم کے اصحاب میں سے بہت سے صحابی سکونت پذیر ہوئے تھے جن میں سے علم میں زیادہ مشہور حضرت علیؓ ابن ابی طالب اور عبد اللہ بن مسعودؓ تھے۔ حضرت علیؓ عراق میں اپنے سیاسی کاموں اور جنگوں وغیرہ میں مشغولیت کی بنا پر تعلیم و تربیت کے علمی مشاغل کے لئے وقت نہیں نکال سکتے تھے۔ لیکن ابن مسعودؓ کی یہ صورت نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ کوفہ میں ان کے علمی اثرات تمام صحابہ سے زیادہ ملتے ہیں۔ ابن مسعودؓ ان لوگوں میں سے ہیں جو ابتداء میں مسلمان ہو گئے تھے حتیٰ کہ لوگوں نے یہاں تک کہا ہے کہ یہ چھٹے مسلمان ہونے والے شخص تھے۔ ان سے پہلے صرف پانچ آدمی مسلمان ہوئے تھے۔ آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور اس کے بعد مدینہ کی طرف۔ اور ہمیشہ رسول اللہ کی خدمت کرتے رہے اور ساتھ ساتھ رہے۔ آپ کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ رسول اللہ صلعم کے پاس آپ کے مکان میں ایسے اوقات میں بھی جا سکتے تھے جبکہ دوسرے اصحاب کو اس کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ آپ کو قرآن سے بڑا شغف تھا۔ قرآن کو حفظ کرتے اور سمجھتے تھے۔ ان وجوہ سے وہ اسلامی تعلیمات اور معانی قرآنیہ اور اعمال رسولؐ پر ایسی بصیرت کے مالک ہو گئے تھے جس کی وجہ سے ان کا شمار بڑے بڑے علماء صحابہ میں ہوتا تھا۔ حضرت عمر ابن الخطاب رضؓ نے آپ کو تعلیم کے لئے کوفہ بھیجا۔ چنانچہ اکثر کوفہ والوں نے آپ سے ہی اکتساب علم کیا۔ آپ کے بہت سے شاگرد ایسے بھی تھے جو ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے اور علم و ادب کا اکتساب ان سے کرتے رہے۔ ان کے بارہ میں سعید ابن جبیرؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عبد اللہ

شاگرد اس شہر (یعنی کوفہ) کے چراغ ہیں۔ آپ لوگوں کو قرآن اور قرآن کی تفسیر کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اور وہ حدیثیں بیان کرتے تھے جو آپ نے رسول اللہ صلعم سے سنی تھیں۔ نئے نئے حوادث کے متعلق ان سے پوچھا جاتا تو کتاب اور سنت یا اپنی رائے سے استنباط کر کے ان حوادث میں فتوے دیا کرتے ــــ رائے کا استعمال آپ اس وقت کرتے جبکہ ان کے بارہ میں کتاب یا سنت میں کوئی حکم موجود نہ ہوتا ــــ عبداللہ ابن مسعودؓ کے اس مدرسہ میں سے مندرجہ ذیل چھ آدمی زیادہ مشہور ہوئے جو لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے اور فتوٰی دیتے تھے۔ علقمہؒ، اسوؒد، مسروق، عبیدہ، حارثؒ بن قیس اور عمرو بن شرجبیل۔ یہی حضرات کوفہ میں تعلیم و تدریس کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے جانشین ہوئے۔ مگر تمام علمائے کوفہ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ہی سے اکتساب علم نہیں کیا تھا۔ ان میں سے زیادہ تر لوگ وہ بھی تھے جو مدینہ منورہ میں رہتے تھے اور وہاں انھوں نے حضرت عمر بن الخطابؓ علی ابن ابی طالبؓ، عبداللہ ابن عباسؓ اور معاذؓ وغیرہ سے اکتساب علم کیا تھا۔ ان وجوہات سے کوفہ میں علمی حرکت کی ایک بڑی فضا پیدا ہوگئی تھی۔ چنانچہ کوفہ کے علماء میں سے یہ حضرات شہرتِ دوام کے مالک ہیں۔ شریحؒ۔ شعبیؒ۔ نخعیؒ۔ اور سعید بن جبیرؒ۔ یہ علمی حرکت برابر ترقی کرتی اور پھیلتی پھولتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ علمی تاج امام ابوحنیفہؒ نعمانی کوفی کے سر پر رکھا گیا۔

**بصرہ**

بصرہ میں بھی بے شمار صحابہ آکر آباد ہوئے جن میں سب سے زیادہ علمی شہرت حضرت ابو موسیٰ اشعریؒ اور انس بن مالکؓ کی ہے۔

ابو موسیٰ یمن کے رہنے والے تھے۔ مکہ میں آکر مسلمان ہوئے اور حبشہ کی طرف دوسرے مہاجرین کے ساتھ ہجرت کی۔ ان کا شمار بھی صحابہ کے اندر بڑے علماء میں سے ہوتا ہے۔ آپ بصرہ میں تشریف لائے اور یہاں تعلیم و تدریس شروع فرمائی۔ حضرت عمر ابن الخطابؓ نے انس بن مالکؓ سے دریافت کیا کہ اشعریؓ کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو؟ حضرت انسؓ نے جواب دیا میں نے انھیں اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ابو موسیٰ بہت بڑے آدمی ہیں۔ مگر میری یہ بات انھیں نہ سنا دینا[1]۔ جو روایات ان سے بیان کی جاتی ہیں ــــ لوگوں کے جھگڑوں کے درمیان فیصلے وغیرہ کے متعلق ــــ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن و حدیث کی معرفت کے علاوہ فقیہہ بھی تھے۔ رہ گئے انس بن مالکؓ تو وہ انصاری ہیں۔ حضور اکرم صلعم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو وہ (نو عمر) بچہ تھے۔ تقریباً دس سال تک وہ حضور صلعم کی خدمت کرتے رہے۔ بصرہ میں سکونت پذیر ہوئے اور لمبی عمر پائی بصرہ میں صحابہ کے اندر سب سے آخر میں ان کی وفات ہوئی۔ آپ کا انتقال ۹۳ھ میں ہوا لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم میں نہ وہ ابو موسیٰ اشعریؓ کے پایہ کو پہنچ سکے اور نہ وہ رتبہ حاصل کر سکے جو کوفہ میں عبداللہ ابن مسعودؓ کو حاصل تھا۔ کیونکہ حضرت انسؓ فقیہہ ہونے کی بہ نسبت محدث زیادہ تھے۔

بنو امیہ کے عہد میں جو لوگ مدرسہ بصرہ میں زیادہ شہرت کے مالک ہوئے ان میں سے امام حسن بصریؒ اور ابن سیرین

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۸۰ ج ۴

# امام حسن بصری اور ابن سیرین

زیادہ ممتاز ہیں۔ یہ دونوں حضرات موالی کی اولاد سے تھے جو میسان میں قید ہو کر آئے تھے۔ دونوں حضرات نے ولاء کے رشتہ سے ہی علم حاصل کیا۔ حسن بصریؒ کے والد زید بن ثابتؓ کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) تھے جو علمائے صحابہ میں سب سے زیادہ مشہور تھے۔ اور سیرینؒ جو محمد ابن سیرین کے والد ہیں وہ انس ابن مالکؓ کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) تھے جن کی صحبت اور حدیث کے متعلق تم معلوم کر چکے ہو۔ بصرہ میں ان دونوں حضرات کی شخصیت غالب تھی۔ حسن بصری اپنے اخلاق کی متانت۔ صلاحیت۔ علم اور فصاحت میں شہرت رکھتے تھے۔ ان کے اخلاق کی متانت تو اسی سے ظاہر ہے کہ وہ اپنی رائے کے اظہار میں کسی سے ڈرتے نہیں تھے۔ یزید ابن معاویہ کی امارت کے بارہ میں ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے اسے درست قرار نہیں دیا جبکہ شعبی اور ابن سیرین کو اپنی اس رائے کے اظہار کی جرأت نہیں تھی۔ آپ دیکھ چکے ہیں کہ کسی نے ان سے فتنوں میں گھسنے اور جنگوں میں حصہ لینے کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے اسے جائز قرار نہیں دیا۔ پوچھنے والے نے پوچھا کہ کیا امیر المؤمنین کے ساتھ بھی شرکت نہیں کرنی چاہیئے؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں امیر المؤمنین کے ساتھ بھی نہیں۔ فصاحت و بلاغت میں حجاج کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں نہایت پرہیزگار اور متورع آدمی تھے۔ صوفیہ انھیں اپنے میں سے ایک شمار کرتے ہیں اور ان کی پُرمغز باتوں اور پُرحکمت جملوں کو بطور ضرب الامثال کے پیش کرتے ہیں۔ معتزلہ انھیں اپنا سرغنہ مانتے ہیں کیونکہ وہ قضا و قدر کے مسائل میں گفتگو کرتے اور انسان کو ارادہ میں آزاد تسلیم کرتے تھے۔ وہ فقیہہ تھے۔ پیش آمدہ مسائل میں ان سے فتویٰ لیا جاتا تھا اور وہ دقتِ علم کے ساتھ فتویٰ دیتے تھے۔ آپ قصہ گو بھی تھے اور بہترین بلکہ صادق ترین قصہ گو شمار ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان تمام نواحی میں جن کا اوپر بیان کیا گیا ہے امام حسن بصری کی شخصیت نہایت ممتاز تھی۔ ابن خلکان نے بیان کیا ہے کہ جب سنہ ۱۱۰ھ میں ان کا انتقال ہوا تو تمام اہل بصرہ ان کے پیچھے پیچھے تھے حتیٰ کہ مسجد میں کوئی آدمی باقی نہیں رہا تھا کہ عصر کی نماز پڑھ سکے۔

رہ گئے ابن سیرین تو انھوں نے زید بن ثابت، انس ابن مالک اور شریح وغیرہ سے اکتساب علم کیا۔ یہ محدث، فقیہہ اور قابلِ اعتماد امام تھے پیش آمدہ حالات و مسائل میں فتویٰ دیتے تھے۔ امام حسن بصری کے ہم عصر تھے۔ کبھی دونوں میں گاڑھی دوستی چھنتی تھی اور کبھی ایک دوسرے سے بیزار۔ اس بیزاری کا سبب غالباً ان کی طبیعتوں کا اختلاف تھا۔ حسن بصری صاف گو، متشدد، ترش مزاج اور غصیلے تھے۔ جو کچھ عقیدہ رکھتے تھے اس کے اظہار میں ذرا باک نہیں رکھتے تھے حتیٰ کہ خطرناک سیاسی مسائل تک میں بھی وہ چوکتے نہیں تھے۔ اس کے برعکس ابن سیرین حلیم، بردبار، اور ہنس مکھ تھے۔ جن باتوں پر گرفت ہو سکتی ہو ان سے دور ہی رہتے تھے[1]۔ اس کے بعد ان کی شہرت خوابوں کی تعبیر میں زیادہ ہو گئی۔ اس سلسلہ میں ایک کتاب بھی ان کی طرف منسوب کر دی گئی ہے۔ ابن ندیم نے بھی فہرست میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے اور اسے انہی کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن متقدمین کی کتابوں مثلاً طبقات ابن سعد وغیرہ میں خوابوں کی تعبیر کے سلسلہ میں ان کی شہرت کا ہمیں کوئی نشان نظر نہیں آتا۔ سنہ ۱۱۰ھ میں انتقال ہوا۔ حسن بصری اور ابن سیرین اہل بصرہ کے سردار اور امام مانے جاتے ہیں۔

---

[1] ہم نے یہ نتیجہ حسن بصری کی سیرت اور ابن سیرین کی سیرت سے نکالا ہے جو طبقات ابن سعد میں مذکور ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اس فن میں صفحہ ۱۴۲ ملاحظہ ہو۔

# حقائق و عبر

**۱- اپنوں کی شہادت** محترم عبدالماجد صاحب دریابادی کے اخبار صدق (مورخہ ۱۸ جولائی ۱۹۵۵ء) میں حسب ذیل شذرہ بہ عنوان ــــــ "نادان دوستوں کے ہاتھوں" ــــــ شائع ہوا ہے۔

ایک ہندوستانی صدق نواز کا مکتوب چار ماہ کی سیاحت پاکستان کے بعد

"بحمداللہ اس چار ماہ کے عرصہ میں شہروں کے علاوہ گاؤں کی سیاسی و مذہبی ہر قسم کی زندگی کو شمالی پنجاب (گوجرانوالہ) سے لیکر کراچی تک کے علاقہ کو خوب گھوم پھر کر دیکھنے کا اتفاق ہوا اور یہ خیال مستحکم ہو گیا کہ اسلام اگر اپنی صحیح حالت میں موجود ہے تو ہندوستان میں ہے۔ پہلے سنا کرتا تھا کہ مصر۔ عراق۔ شام وغیرہ کے اسلامی ممالک سے بہتر حالت میں اسلام ہندوستان میں ہے۔ اب اس میں پاکستان کا اضافہ ہو گیا۔ مذہبی تعلیم قریب قریب عنقا ہے۔ وہاں کے عام دینی حالات کو دیکھتے ہوئے پرویز صاحب سے متفق الخیال ہونا پڑا کہ مولوی کا مذہب بربادیٔ دین ہے یعنی دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد۔ حقیقت ہے۔"

(صدق کا تبصرہ) واضح رہے کہ یہ وہ صاحب لکھ رہے ہیں جو پرویز صاحب کے ایک خصوصی ناقد ہیں! پاکستان کے اکابر خصوصاً وہاں کے علماء غور کریں کہ آخر بڑے بڑے مخلص بھی تجربے کے بعد کیوں ان سے اتنے بددل ہو کر واپس آتے ہیں۔ اصول و کلیات کے ساتھ جزئیات بھی شریعت میں یقیناً ایک درجہ رکھتے ہیں لیکن جزئیات میں اتنا غلو اور تعمق کہ وہ ایک مستقل بنائے نزاع بن جائیں اور امت کو پارہ پارہ کر دیں کون سی دانائی ہے؟"

**۲- قصور کس کا ہے؟** مسلک اہل حدیث کے نقیب، موقر جریدہ منہاج کی ۹/۱۴ اگست کی اشاعت میں۔ غلط نظام

کے عنوان سے حسب ذیل نوٹ شائع ہوا ہے:۔

حکومت عراق نے اعلان کیا ہے کہ وہ ملک میں بہت جلد زرعی اصلاحات نافذ کرے گی۔ اور موجودہ زمینداری نظام ختم کر دے گی۔

عراق کی لاکھوں ایکڑ زمین پر چند زمیندار اور شیوخ قابض ہیں۔ اور ملک کی بہت بڑی آبادی مزارعین اور فلاحین پر مشتمل ہے جو نہایت عسرا ور تنگی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

عام طور پر جن ملکوں میں زمیندارہ نظام قائم ہے۔ وہاں دولت و ثروت کے خزائن گنتی کے چند افراد کے قبضہ میں ہوتے ہیں جن کو مزارعین کی ضروریات اور تنگدستی کا قطعی کوئی احساس نہیں ہوتا۔ مزارعین پر اس کا شدید ردعمل ہوتا ہے۔ اور ان میں زمینداروں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔

سیاسی اعتبار سے اس کا انتہائی نقصان رساں پہلو یہ ہوتا ہے۔ کہ زمیندار اپنے اثر و رسوخ اور مزارعین پر قبضہ و تسلط کی وجہ سے ملک کی سیاست پر حاوی ہو جاتے ہیں۔ مزارع مجبور رہتا ہے کہ زمیندار کو ووٹ دے، اور اسے کامیاب کرائے۔ اس طرح بسا اوقات بہت قابل افراد ناکام رہ جاتے ہیں۔ اور نہایت نالائق زمیندار اپنے مزارعین کے دوٹوں کی وجہ سے کامیاب ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگوں کے سیاسیات میں آنے کا باعث ہی ان کی زمینداری اور مزارعین کے ووٹ ہوتے ہیں۔

اگر ان کا یہ سہارا نہ ہو۔ تو سیاسی میدان میں آنے کا تصور بھی نہ کریں۔ زمیندارہ نظام کا ایک بھیانک پہلو یہ ہے۔ کہ مزارع اور علاقہ کے غریب کی ہر شے ایک طرح سے زمیندار اپنے قبضہ میں سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ بہت سی اخلاقی حدبندیاں بھی ٹوٹ جاتی ہیں۔ اور مزارع کی بہو۔ بیٹیوں تک کی عصمت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ ان تمام خرابیوں کو رفع کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس غلط نظام کا ہر ممکن عجلت کے ساتھ خاتمہ کر دیا جائے۔ اس جرأت مندانہ اقدام سے خود حکومت بھی عوام میں نیک نام ہو جائے گی۔

مصر میں صدر ناصر کی مقبولیت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس نے وہاں زمینداریاں ختم کر دی ہیں۔ اور "پاشوں" کے جاگیردارانہ نظام پر فاتحہ پڑھ دی ہے۔ اب وہاں کے فلاحین اور پاشوں کے درمیان نہ کوئی امتیاز ہے اور نہ کسی نوع کی کشمکش کیونکہ وہاں مزارع اور زمیندار کا طبقاتی سوال ہی باقی نہیں رہا ہے۔

مصر کے پاشوں کی دور دور تک پھیلی ہوئی تمام زمینیں اور جاگیریں فلاحین میں بانٹ دی گئی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مصر میں پاشوں کا وہ رعب و دبدبہ بھی ختم ہو گیا ہے۔ جو محض ان کی وسیع و عریض زمینداریوں کی وجہ سے قائم تھا۔ اور فلاحین بھی مطمئن ہو گئے ہیں کہ انھیں زمین مل گئی ہے۔ علاوہ ازیں حکومت بھی مقبول ہو گئی ہے کہ اس نے عوام کے بہت بڑے طبقہ کو زمینداروں کی غلامی سے نجات دلا دی ہے۔

اب اگر عراقی حکومت بھی یہ قدم اٹھائے تو اس کے لئے نہایت مفید رہے گا۔ ہم میں سے ہر ایک کی یہ دلی خواہش ہے کہ پاکستان کی حکومت بھی اس پر عمل کرے اور اس غلط نظام کو ختم کرے۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ ہم پر تسلط ہی زمینداروں کا ہے۔ اور وزارت و حکومت انھیں لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو خود بہت بڑے بڑے زمیندار ہیں۔ آخر وہ زمینداریاں ختم کر کے اپنے پاؤں پر خود ہی کیوں کلہاڑا ماریں۔

## طلوعِ اسلام

معاصر محترم نے کہا یہ ہے کہ زمینداریاں ختم نہ کرنے کی ذمہ داری حکومت پاکستان پر ہے لیکن ہمیں بتایا یہ جاتا ہے کہ شریعتِ اسلامی کی رُو سے ایک شخص بے حد و بے نہایت رقبہ اراضی کا مالک ہو سکتا ہے اور کسی کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس سے ایک مرلہ زمین بھی چھین لے۔ سوال یہ ہے کہ جب شریعت کی رُو سے زمینداری کی پوزیشن یہ ہے تو پھر حکومتِ پاکستان کو کس طرح مطعون کیا جا سکتا ہے کہ وہ زمینداریاں ختم نہیں کرتی؟

کیا معاصر منہاج تفصیل سے بتائے گا کہ شریعت کی رُو سے زمینداریوں کی حیثیت کیا ہے؟

---

## ایک اہم تاریخی انکشاف

روزنامہ امروز کی ۱۷ر جولائی کی اشاعت میں **تاریخ اسلام میں یوم عاشورہ** کے عنوان سے "سید صدیق مدنی" صاحب کا ایک مبسوط مقالہ شائع ہوا ہے جس میں انھوں نے بتایا ہے کہ روایات کی رُو سے

(۱) اللہ تعالیٰ نے آسمانوں - زمین - عرش اور کرسی، لوح و قلم - چاند اور ستارے، سورج اور جنت، پہاڑ درخت اور دریا کو اسی عاشورہ کے دن پیدا کیا۔

(۲) اسی دن اللہ تعالیٰ نے جبرائیلؑ - اسرافیل اور عزرائیل کو پیدا کیا۔

(۳) اسی دن دنیا میں پہلے پہل بارش ہوئی۔

(۴) اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے جسم اطہر میں روح پھونکی تھی۔ اور اسی دن حضرت آدمؑ کو جنت میں داخل کیا اور اسی دن آدم و حوا کا ملاپ ہوا۔ پھر جنت سے باہر آنے کے بعد اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی توبہ قبول فرما کر خطا معاف فرمائی تھی۔ اور اسی دن آدم اور حوا جدا ہوئے۔

(۵) اسی دن نوح کی کشتی طوفان سے بچ کر جودی پر ٹھہری اور ان لوگوں نے جو تھوڑی سی خوراک لے کر حضرت نوح کے ساتھ کشتی پر سوار ہو گئے تھے، اس طوفان عظیم سے نجات پائی اور نئے سرے سے اس دنیا میں نسل آدم کو فروغ حاصل ہوا۔

(۶) حضرت ابراہیم کی بھی پیدائش کا یہی دن ہے اور اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم پر آتش نمرود کو گلزار بنایا اور اپنے پیارے خلیل کو اس خوفناک آگ سے صحیح و سالم بچا لیا۔

(۷) اسی دن حضرت اسمٰعیل کے ذبح کا فدیہ دیا گیا۔

(۸) اسی دن اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کو ایک بہت بڑی بادشاہت عنایت فرمائی جس کی مثال تا قیامت ملنی مشکل ہے۔

(۹) اسی دن حضرت یونسؑ کو مچھلی کے پیٹ سے نجات حاصل ہوئی۔

(۱۰) اسی دن حضرت زکریاؑ قتل کئے گئے۔

(۱۱) اسی دن حضرت یحییٰؑ قتل ہوئے۔

(۱۲) اسی دن حضرت ایوبؑ کو کیڑوں سے رہائی نصیب ہوئی اور کٹھن امتحان میں سے کمال جرأت واستقامت کے سرخرو ہوکر نکلے اور صبر واستقلال کا ایسا ریکارڈ قائم کیا جس کی مثال رہتی دنیا تک ملنی مشکل ہے۔

(۱۴) اسی دن خدا کے حکم سے حضرت یوسفؑ کنوئیں سے نکالے گئے۔ اور اسی دن حضرت یعقوبؑ کو دوبارہ بینائی عطا ہوئی۔ پھر یہی دن تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے یوسفؑ ویعقوبؑ کو ملایا۔

(۱۵) اسی دن حضرت موسیٰؑ کو بمعہ قوم بنی اسرائیل کے فرعون کی غلامی اور ظلم وستم سے خداوند کریم نے دائمی نجات بخشی۔ اور فرعون کو مع اس کے لشکر کے دریائے نیل میں غرق کردیا۔

(۱۶) اسی دن حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے پھر اسی دن یہود نے حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھانے کا بندوبست کیا۔ اور رب کریم نے انھیں یہود کے جبر واستبداد سے بچاکر آسمان پر پہنچا دیا۔

(۱۸) یہی وہ دن ہے جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے۔

پہلی سولہ شقوں کے متعلق تو ہم جیسے عامی کچھ کہہ نہیں سکتے۔ لیکن سترھویں شق (یعنی اس دعوے کے متعلق کہ نبی اکرمؐ بھی عاشورا کے دن دنیا میں تشریف لائے تھے) انتی گذارش ہے کہ چند دنوں کے بعد ربیع الاول کا مبارک مہینہ آنے والا ہے جس کی بارہ تاریخ کو ساری دنیا کے مسلمان جشن عید میلاد النبیؐ مناکر اس حقیقت کا اعلان کریں گے کہ حضورؐ اس دنیا میں ربیع الاول کے مہینے میں تشریف لائے تھے۔ ہمارے خیال میں مدنی صاحب کو چاہیئے کہ وہ مسلمانانِ عالم کو بتائیں کہ وہ اس باب میں کتنی بڑی غلطی میں ماخوذ چلے آرہے ہیں۔ نبی اکرمؐ کی تاریخ پیدائش دس محرم ہے۔ امید ہے ان کی اس مہم میں جریدہ امروز بھی ان کا ساتھ دے گا۔

اس قسم کے تحقیق ہیں ہمارے ہاں کے مقالہ نگار حضرات اور اس قسم کے ذمہ دار ہیں ہمارے جرائد ورسائل!

---

## ۴۔ جنت کی قیمت

مرکزی جمعیۃ اہلحدیث کے ترجمان، موقر جریدہ الاعتصام کی ۹ر اگست کی اشاعت میں "بکھرے ہوئے موتی" کے عنوان کے تحت حسب ذیل شذرہ شائع ہوا ہے۔

امام غزالیؒ کو وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ فرمایئے: اللہ میاں آپ سے کیسے پیش آئے؟

فرمایا، مجھے بخش دیا ہے۔

کس عمل کے صدقے میں؟

فرمایا، جب کوئی مکھی میرے قلم کی سیاہی کو پینے کے لئے میرے قلم پر آ بیٹھتی تو میں اس وقت تک قلم کو نہ ہلاتا جب تک وہ پی کر اُڑ نہ جاتی ـــ بس خدا کو میری یہ نیکی پسند آ گئی ہے۔ اللہ اکبر! (امام شعرانی)

آپ نے غور فرمایا کہ جنت کس قسم کے اعمال کے صدقے میں ملتی ہے؟ اور یہ جنت ملتی بھی اسی خدا کی طرف سے ہے جس نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ (۲/۲۱۴) کیا تم سمجھتے ہو کہ تم (یونہی) جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی تم پر وہ حوادث گزرے ہی نہیں جو تم سے پہلے لوگوں پر گزر چکے ہیں۔ مصائب و شدائد نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ زمین ان کے پاؤں کے نیچے سے نکل گئی۔ یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھی پکار اٹھے کہ اے نصرتِ خداوندی! تو کب آئے گی؟ ایک جنت تو یہ ہے جس تک اس قسم کے صبر آزما اور ہمت طلب مراحل سے گذر کر پہنچا جا سکتا ہے۔ لیکن دوسری جنت وہ ہے جسے مکھیوں کو سیاہی پلا کر حاصل کیا جا سکتا ہے۔

یہی وہ جنت ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال نے کہا تھا کہ

بہشتے بہر پاکانِ حرم ہست — بہشتے بہر اربابِ ہمم است
بگو ہندی مسلماں را کہ خوش باش — بہشتے فی سبیل اللہ ہم است

ہمارا خیال ہے کہ اس قصے کے راوی کو غلطی لگ گئی کہ اس نے خواب میں امام غزالیؒ کو دیکھا ہے۔ اگر امام صاحب خواب میں آتے تو وہ یقیناً یہ کہتے کہ اللہ میاں نے مجھ سے باز پرس کی کہ تم نے مکھیوں کو سیاہی پلانے کی خاطر انسانی زندگی کے اس قدر قیمتی لمحات کیوں ضائع کر دیئے؟

آپ غور کیجئے کہ اس "خانقاہی اسلام" نے خدا، مومن، اعمال، مقصدِ حیات وغیرہ کے متعلق کس قدر غلط تصورات دے دیئے اور ہم ان غلط اور غیر قرآنی تصورات کو کس فخر کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

---

اسی پرچہ کے اداریہ میں حسب ذیل عبارت ملتی ہے۔

## ۵۔ حلت و حرمت کا اختیار

امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ایک موسیقار کسی خلیفہ کو گانے باجے سنایا کرتا تھا۔ کسی نے اس سے کہا کہ میاں! موسیقی کو امام مالک رحمہ اللہ حرام سمجھتے ہیں۔ وہ کہنے لگے، امام مالک ہوں یا ان جیسا کوئی اور بزرگ ان کو ابن عبد المطلب (یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین میں کسی چیز کی حلت و حرمت کا حق کیسے پہنچ سکتا ہے۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم تھا کہ بما اراک اللہ (جو آپ کو خدا سمجھائے) کے مطابق فیصلے کریں۔ نہ یہ کہ جو تجھے خود سوجھے۔ دین کا تعلق رائے پر منحصر ہوتا تو پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی کی بھی ضرورت نہ ہوتی حالانکہ حضرت ماریہؓ کے قصہ میں حق تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس امر پر عتاب فرمایا تھا کہ خدا نے جس چیز کو حلال

کیا ہے۔ آپ نے اس کو کیوں حرام کیا ہے۔

## ۶۔ ایک اور

ذیل کا واقعہ بھی اسی پرچہ کے ایک مقالہ میں درج ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں سے ایک سچا وفادار غلام حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بھی تھے کسی بحری سفر میں وہ کشتی ٹوٹ گئی جس میں آپ سوار تھے اور اس کے ایک تختہ پر سوار ہو کر دریا میں بہتے رہے، یہاں تک کہ دریا نے ان کے تختہ کو اس کنارے جا پھینکا، جہاں درندے آباد تھے۔ چنانچہ اس کس مپرسی اور ناتوانی کے عالم میں انہوں نے دیکھا کہ ایک شیر انہیں پھاڑنے کے لئے ان کی طرف آ رہا ہے۔ آپ نے پورے سکون قلب کے ساتھ اس کو اپنا تعارف پیش کیا کہ میں کون ہوں —— فرمایا... اے ابو الحارث (شیر کو عربی میں ابو الحارث کہتے ہیں) میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں (بعض روایات میں یوں بھی آیا ہے کہ اے شیر! تم جانتے ہو، میں کون ہوں؟ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں) اس کے بعد وہ شیر پھاڑنے کے بجائے میری طرف دوستوں کی طرح بڑھا۔ آ کر مانوس جانور کی طرح اپنا کندھا مجھ سے لگا کر ملا۔ پھر وہ میرے آگے آگے رہنما بن کر چلا۔ جب اس راستہ پر پہنچ گئے جہاں مجھے پہنچنا تھا۔ تو بولا... اور اپنی دم زمین پر ماری۔ آپ فرماتے ہیں: یہ مجھے الوداع کہنے کے لئے اس نے کیا تھا

(السیرۃ الحلبیہ صفحہ ۳۶۳ ج ۳)

## ۷۔ ہمیں کیا پڑھایا جاتا ہے؟

جماعت اسلامی کے آرگن، موقر جریدہ ایشیا، کی ۱۵ اگست کی اشاعت میں "گھر کی چوکھٹ" کے عنوان سے حسب ذیل مضمون شائع ہوا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک شام سے مکہ مکرمہ تشریف لائے حضرت اسمٰعیل شکار کو گئے تھے، گھر پہ دستک دی۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی بیوی دروازے پر آئیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا۔ "اسمٰعیلؑ کہاں ہیں؟"

بیوی نے جواب دیا۔

"شکار کو گئے ہیں"

حضرت ابراہیمؑ:۔ اچھا یہ بتاؤ کیسی گذرتی ہے؟"

بہو:۔ بڑی تنگی سے زندگی گذرتی ہے، پریشان حالی ستاتی رہتی ہے"

حضرت ابراہیمؑ:۔ اچھا جب اسمٰعیلؑ آویں تو سلام کہنا اور کہنا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ بدل دیں۔

حضرت ابراہیمؑ یہ کہہ کر ملک شام واپس ہو گئے، ان کے جانے کے بعد حضرت اسمٰعیلؑ تشریف لائے، بیوی سے پوچھا کوئی آیا تو نہیں تھا۔ بیوی نے جواب دیا ہاں ایک صاحب آئے تھے ان کی شکل ایسی ایسی تھی۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے سن کر جواب دیا کہ وہ

میرے والد حضرت ابراہیمؑ تھے، کیا کچھ کہہ گئے ہیں۔

بیوی نے کہا کہ انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیسی گزرتی ہے؟" میں نے جواب دیا کہ" بڑی تنگی سے گذرتی ہے"۔

حضرت اسمٰعیلؑ:۔ کیا اس کا انھوں نے کوئی جواب دیا؟

بیوی:۔ ہاں انھوں نے کہا کہ اسمٰعیلؑ کو ہمارا سلام کہنا اور یہ کہنا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ بدل دیں"۔

حضرت اسمٰعیلؑ:۔ جانتی ہو کہ چوکھٹ بدلنے کا کیا مطلب ہے؛ میرے والد یہ کہہ گئے ہیں کہ میں تم کو طلاق دیدوں۔

حضرت اسمٰعیلؑ بیوی کو طلاق دیتے ہیں۔ ایک عرصہ کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے گھر پر دستک دی، حضرت اسمٰعیلؑ کی دوسری بیوی گھر سے نکلتی ہیں اور حضرت ابراہیمؑ سے ہم کلام ہوتی ہیں

حضرت ابراہیمؑ:۔ اسمٰعیلؑ کہاں ہیں؟"

بہو:۔ شکار کو گئے ہوئے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ:۔ اچھا کیسی گذرتی ہے اور ان کا معاملہ کیسا ہے؟

بہو۔ اُن کا معاملہ بہت بہتر ہے اور ہماری گذر اچھی ہوتی ہے۔ اللہ کا شکر ہے"۔

حضرت ابراہیمؑ۔ اسمٰعیلؑ جب آئیں تو سلام کہنا اور کہنا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ قائم رکھیں، یہ کہہ کر حضرت ابراہیمؑ واپس چلے جاتے ہیں۔ کچھ دیر بعد حضرت اسمٰعیلؑ آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کوئی آیا تو نہیں تھا۔ بیوی نے کہا۔ ایک صاحب اس شکل و صورت کے آئے تھے اور پوری گفتگو جو ان دونوں کے درمیان ہوئی تھی کہہ سنائی۔ ان سب کو سن کر حضرت اسمٰعیلؑ بولے وہ میرے والد حضرت ابراہیمؑ تھے اور یہ فرما گئے ہیں کہ میں تم کو اپنے سے علیحدہ نہ کروں اور ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گذارتے رہیں (چوکھٹ قائم رکھنے کا یہی مطلب ہے) اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلی بیوی کی ناشکری اور شوہر کی شکایت طلاق کا سبب بنی اور دوسری بیوی کی احسان مندی اور اطاعت شعاری اس کا سبب بنی کہ وہ ہمیشہ اپنے شوہر حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ خوش و خرم زندگی گذارتی رہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک دوسرے کے حقوق پہچاننے اور احسان مندی کی توفیق بخشے۔

آپ نے غور فرمایا کہ عورتوں کو کن باتوں پر طلاق ملتی ہے اور کس طریق سے ملتی ہے؟ اور یہ بھی کہ طلاق دلوانے والے کون ہیں اور دینے والے کون؟ یعنی دونوں خدا کے جلیل القدر پیغمبر ہیں!

یہ قصے شائع کئے جاتے ہیں اس قوم کی طرف سے جو ساری دنیا سے چلا چلا کر کہتی ہے کہ ہمارے دین نے عورت کو وہ مقام عطا کیا ہے جس کا تصور بھی کوئی اور سوسائٹی نہیں کر سکتی۔ واحسرتا کہ قرآن کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینے سے یہ قوم کہاں سے کہاں چلی گئی اور بدبختی یہ کہ اس قسم کے اپنے خود ساختہ خیالات کو وہ منسوب کرتی ہے خدا کے ایسے ایسے برگزیدہ انسانوں کی طرف!

بہرحال انتظار کیجئے کہ پاکستان میں مُلّا کی شریعت نافذ ہو جائے اور دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ اس میں عورت کو کیا مقام ملتا ہے!

## ۰- اس گھر کو آگ لگ گئی ...

آپ ذرا ذہن پر زور ڈالیئے اور سوچیئے کہ پاکستان میں ایک مہینے میں کتنے سگریٹ پیئے جاتے ہوں گے؟ سوچئے! پھر سوچئے۔ آپ نہیں بتا سکیں گے۔ یہ خبر آپ ریڈیو (کراچی) کی زبان سے (بحوالہ اتحاد کراچی۔ مورخہ ۳ جون) سنئے۔ سنئے اور حیران رہ جائیے۔ پاکستان میں ہر ماہ ۷۰ کروڑ سگریٹ پھونکے جاتے ہیں۔ ایک ماہ میں ۷۰ کروڑ۔ اور یہ تعداد صرف ان سگریٹوں کی ہے جو پاکستان میں بنتے ہیں۔ اس میں درآمد شدہ سگریٹوں کی تعداد شامل نہیں۔ اگر ہم ایک سگریٹ کی اوسط قیمت دو پیسے بھی سمجھ لیں (جو حقیقت کے اعتبار سے کم ہے)۔ تو ایک ماہ میں دو کروڑ روپے سے زائد کے سگریٹ پھونکے جاتے ہیں۔ یعنی ہر سال قریب پچیس کروڑ روپیہ دھواں بن کر اڑ جاتا ہے۔ ان سگریٹوں کے لئے سولہ ہزار ایکڑ زمین میں تمباکو کی کاشت ہوتی ہے جس میں کم از کم دو لاکھ من گیہوں پیدا ہو سکتا ہے۔

ذرا سگریٹوں کے ساتھ حقے کو بھی لے لیجئے، اور پان کا خرچ بھی شامل کر لیجئے اور پھر سوچئے کہ بھوکوں اور ننگوں کی یہ قوم، جو جھونپڑوں میں بستی اور مانگ کر روٹی کھاتی ہے، کس قدر "عیاش" واقع ہوئی ہے!

اگر یہاں انگریزوں کی حکومت ہوتی تو ہم اس قسم کے اعداد و شمار کو سامنے لا کر گلے کے پورے زور سے کہتے کہ بدیسی حاکم چاہتے ہی یہ ہیں کہ محکوم قوم اس طرح تباہ ہوتی رہے۔ یہ ہماری قومی دولت جان بوجھ کر اس قسم کی مسرفانہ عادات کی نذر ہونے دیتے ہیں تاکہ ہم اپنی حالت کو سدھار ہی نہ سکیں۔ لیکن اب تو یہاں حکومت بھی اپنی ہے۔ اب ہم کہیں تو کیا کہیں۔ اور کس سے کہیں۔

یہاں آئے دن کوئی نہ کوئی آرڈی ننس جاری ہوتا رہتا ہے۔ اگر ایک آرڈی ننس ایسا بھی جاری کر دیا جائے جس کی رو سے اس قسم کی فضول اشیاء کا استعمال جرم قرار دیا جائے تو ہمارے کتنے معاشی اور اس کے ساتھ ہی معاشرتی مسائل خود بخود حل ہو جائیں!

لیکن ایسا کون کرے؟


پرویز

# انسان نے کیا سوچا؟

زندگی کے اہم مسائل کے حل کے لئے انسانی فکر نے کیا کیا کوششیں کیں اور اس کا نتیجہ کیا نکلا؟

سائز ۲۹×۲۲ ۳۶۰ صفحات قیمت دس روپے۔

ملنے کا پتہ ناظم ادارہ طلوع اسلام 25/B گلبرگ کالونی۔ لاہور

# نقد و نظر

**۱۔ اسلامی نظامِ معاشیات** کے متعلق امیر جماعت اسلامی اور امام جماعت احمدیہ سے خط و کتابت۔ یہ تیس صفحہ کا مختصر سا پمفلٹ ہے جو چوہدری محمد اسمٰعیل صاحب (تیلی محلہ۔ گلی ۲۔ راولپنڈی شہر) کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ (اس خط و کتابت کا حوالہ چوہدری صاحب کے اس مضمون میں بھی دیا گیا ہے جو طلوعِ اسلام کی اشاعت بابت اگست ۱۹۵۸ء شائع ہو چکا ہے)

چوہدری صاحب نے سال گذشتہ مودودی صاحب کو لکھا کہ ایک طرف آپ لکھتے ہیں کہ روپیہ جمع کرنا اور اسے مزید دولت پیدا کرنے پر لگانا سرمایہ داری کی جڑ ہے اور اسلام اسے قطعاً پسند نہیں کرتا۔ اور دوسری طرف آپ کہتے ہیں کہ اسلام کی رُو سے ہزاروں ایکڑ زمین خریدنا اور اسے بٹائی پر دینا، بالکل جائز ہے۔ یہ دو باتیں باہمد گر متضاد ہیں ان میں تطابق کی کیا صورت ہے۔ اس کے جواب میں مودودی صاحب نے لکھا کہ "اصل بات یہ ہے کہ اسلام میں ایک چیز ہے مطلوب اور دوسری چیز ہے لازم۔ مطلوب یہ ہے کہ آدمی اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد جو کچھ بھی اس کے پاس بچے وہ خلق خدا کی مدد اور راہ خدا کے کاموں میں خرچ کر دے اور لازم یہ ہے کہ اگر بچی ہوئی دولت کو وہ جمع کرتا ہو یا کاروبار میں لگاتا ہو یا مزید دولت پیدا کرنے کے دوسرے حلال طریقوں میں استعمال کرتا ہو، تو زکوٰۃ ادا کرے:

ظاہر ہے کہ اس قسم کا سیاسی اسلام، جس میں انسان رند کا رند بھی رہے اور ہاتھ سے جنت بھی نہ جائے، چوہدری صاحب (جیسے سیدھے سادے مسلمان) کی سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا۔ اس لئے انھوں نے اس کی مزید وضاحت چاہی۔ اس کے جواب میں مودودی صاحب نے فرمایا کہ

میں آپ کو سمجھانے کی قابلیت اپنے اندر نہیں پاتا۔ آپ جو کچھ صحیح سمجھیں اسے اختیار فرمائیں اور جو کچھ غلط سمجھیں اسے چھوڑ دیں۔

اسی قسم کا ایک خط چوہدری صاحب نے مرزا بشیر الدین محمود صاحب، امام جماعت احمدیہ کو لکھا جس میں پوچھا گیا کہ اگر وہ روایات جنہیں آپ نے اپنی کتاب "اسلام اور ملکیتِ زمین" میں درج فرمایا ہے، صحیح ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے بڑی بڑی وسیع زمینداریاں قائم کرنے میں خاص دلچسپی لی۔ اس کے جواب میں مرزا صاحب نے لکھا کہ میں نے اپنی کتاب میں جو روایات لکھی ہیں اگر وہ روایتیں جھوٹی ہیں تو ان کو رد کر دیں اور اگر سچی ہیں تو جن لوگوں نے وہ باتیں لکھی ہیں ان کا انکار کر دیں۔

چوہدری صاحب نے مزید وضاحت کے لئے خط لکھا تو مرزا صاحب نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ

اگر آپ کی عقل ماری گئی ہے تو میں اس کا علاج نہیں کر سکتا۔ جو آپ کی عقل کا علاج کر سکے اس کی طرف جائیں۔ یا لاہور کے ڈاکٹروں کی طرف رجوع کریں۔

یہ ہے اس خط و کتابت کا خلاصہ جسے تفصیلاً اس پمفلٹ میں درج کیا گیا ہے اور جو مؤلف سے ۸ر میں مل سکتا ہے۔

---

## ۲۔ میرے زمانے کی دلی

یوں تو ایک بستی (شہر یا قریہ) اس کے سوا اور کیا ہے کہ چند مکانات اور راستوں کا مجموعہ ہے، لیکن بعض بستیوں کو یہی خصوصیت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ ایک قوم کی تاریخ بن جاتی ہیں۔ دلی ایک ایسی ہی بستی تھی ("تھی" کہتے ہوئے دل کو ایک دھکا سا لگتا ہے لیکن بحالات موجودہ ایسا کہنا ہی پڑتا ہے) یوں تو ہر بستی سے ہندوستان کے ہر مسلمان کو قلبی لگاؤ تھا ——— ایسا لگاؤ کہ اقبالؒ کو "سواد رومۃ الکبریٰ میں دلی یاد آتی تھی" ——— لیکن دلی کے رہنے والوں کو اس سے عشق تھا۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ان میں سے جو لوگ دلی چھوڑ کر پاکستان آئے ہیں، ان کی آنکھیں آج تک دلی کی یادیں شبنم فشاں ہیں۔ یہی وہ حسین یاد ہے جو مُلّا واحدی کے قلم سے زیرِ نظر کتاب کی شکل میں ہمارے سامنے آئی ہے۔ دلی کی کہانی اور مُلّا واحدی کی زبان۔ یوں سمجھئے کہ ایک نظم ہے جو رنگینیوں اور شادکامیوں کے ادوار سے گزرتا ہوا انتہائی ٹریجڈی پر ختم ہو جاتا ہے۔ آخری باب میں واحدی صاحب، دلی کے مکانوں سے گزر کر مکینوں تک پہنچ گئے ہیں اور وہاں کی بہت سی معروف اور غیر معروف ہستیوں سے اپنے خاص انداز میں تعارف کراتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ یہاں پہنچ کر کتاب اپنے پایہ سے گر گئی ہے اس لئے کہ اس میں شخصیتوں کے مورخی تعارف کے بجائے شخصیت پرستی کا پہلو غالب آ گیا ہے۔ مثلاً وہ دلی کے ایک مولانا (حافظ ایوب صاحب) کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مولانا کی تقریریں سننے کے بعد اسلام کے متعلق کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہ سکتا۔ بولنے کی طرح لکھنے کا چسکہ نہیں ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے امام غزالیؒ کا سا دماغ عطا کیا تھا۔ کسی کو اپنی عقل پر گھمنڈ ہو تو وہ مولانا محمد ایوب کی تقریریں سن لے۔ اسے اپنی عقل کی بے بضاعتی نہیں، نفس عقل کی بے بضاعتی کا پتہ لگ جائے گا۔ مولانا محمد ایوب کی عقل کی دسترس ہر مدعی عقل کی دسترس سے آگے ہے۔ مولانا عقل و عرفان کے سمندر میں اس تہہ تک پہنچ جاتے ہیں جہاں تک بڑے بڑے مدعیانِ عقل نہیں پہنچ سکتے۔

تعارف آپ نے ملاحظہ فرما لیا۔ اب اُس "عقل" کا تھوڑا سا نمونہ بھی دیکھ لیں جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ "ہر دی عقل کی دسترس سے آگے ہے"! ایوب صاحب فرماتے ہیں۔

> جس طرح خدا کے قول کے حجت ہونے میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ عقل کے مطابق ہو بالکل نبی کے قول کے حجت ہونے میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ قرآن کے مطابق ہو۔ اس لئے کہ نبی کا قول بھی قول اللہ ہے۔ اور قرآن بھی قول اللہ ہے اور اللہ کے دونوں قول ہیں۔ تو اللہ کے قول کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس میں تنوع نہ ہو جس طرح کہ اس کے ایک فعل کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ دوسرے فعل کے مطابق ہو۔ ایک طرف پہاڑ کی چوٹی فلک تک پہنچ رہی ہے۔ دوسری طرف کھڈ کی گہرائی تحت الثریٰ تک پہنچ رہی ہے۔ جس طرح اس کے ایک فعل کا دوسرے فعل کے مطابق ہونا ضروری نہیں اسی طرح اس کے ایک قول کا دوسرے قول کے مطابق ہونا ضروری نہیں ہے۔
>
> (فتنۂ انکار حدیث)

اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ واحدی صاحب کی عقیدت مندی انہیں کہاں سے کہاں لے گئی ہے۔

کتاب چھوٹی تقطیع کے قریب سوا تین سو صفحات پر مشتمل ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بڑی عجلت میں شائع ہوئی ہے۔ شلاً شروع میں فہرست مضامین ہے جس میں بیس مضامین درج ہیں لیکن کتاب میں ان میں سے چار پانچ کے سوا کسی کا پتہ نشان نہیں۔ کتاب میں اتنا لکھا ہے کہ یہ حصہ اول ہے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ باقی مضامین شاید دوسری جلد میں درج ہوں گے۔ قیمت فی جلد ساڑھے تین روپے ہے اور دفتر نظام المشائخ۔ جیکب لائنز کراچی سے مل سکتی ہے۔

---

## ۳- اساس تہذیب

ہندوستان کا مسلمان اس وقت جس دورِ تشتت و انتشار میں سے گزر رہا ہے اس میں ڈاکٹر سید عبداللطیف کی ہستی مغتنمات میں سے ہے۔ وہ خاموش ہی خاموش اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ مسلمان اپنی تہذیب و تمدن کے مرکز (دین) سے الگ نہ ہونے پائیں۔ ان کی اس مخلص و مبارک کوشش کا نتیجہ زیرِ نظر کتاب ہے۔ اس میں انھوں نے ایمان۔ علم معیشت۔ معاشرت۔ حکومت کے عنوانات کے تحت قرآن کریم کی متعلقہ آیات اور ان کی تائید میں احادیث مقدسہ درج کی ہیں۔ احادیث کے انتخاب میں کوشش کی گئی ہے کہ وہ قرآنی تعلیم کے خلاف نہ ہوں۔ (یہی ہمارے نزدیک حدیث کے قابلِ قبول ہونے کا معیار ہے جسے پاکستان میں فتنۂ انکارِ حدیث سے تعبیر کیا جاتا ہے)۔ ہر باب کے شروع میں، ایک مختصری تمہید میں خلاصۂ مضمون دیدیا گیا ہے۔ کتاب کا انداز صاف اور سادہ، اور پیرایۂ بیان دل کش اور دل نشین ہے اور اس میں جو مواد پیش کیا گیا ہے وہ فاضل مصنف کے الفاظ میں ایسا ہے "جو عہدِ حاضر میں ایک عالمگیر تہذیب کی تعمیر کے لئے بنیادی عنصر قرار پانے کی صلاحیت رکھتا ہے"۔ کتاب کی پیشانی پر لکھا ہے "لِقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ" یہ عنوان جس قدر حسین و سادہ و رنگین ہے اس کی داد اربابِ بصیرت دے سکتے ہیں۔

کتابت و طباعت۔ کاغذ اور جلد، سب ڈاکٹر صاحب کے ذوق لطیف و نظیف کے آئینہ دار ہیں۔ کتاب (متوسط سائز کے) قریب دو سو صفحات پر مشتمل ہے اور ساڑھے چار روپے میں، دی انسٹی ٹیوٹ اوف انڈو مڈل ایسٹ کلچرل اسٹڈیز۔ حیدر آباد (دکن) سے مل سکتی ہے۔ (پاکستان میں ملنے کا پتہ درج نہیں)

---

## ۴- رُوحِ قرآن - اصل اسلام

حلقۂ طلوع اسلام، حکیم سید عبداللہ الحسنی صاحب سے متعارف ہے۔ یہ وہی خضر صورت اور درویش سیرت بزرگ ہیں جنھوں نے طلوع اسلام کنونشن منعقدہ لاہور ۱۹۵۶ء میں اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا تھا کہ "برار۔ دکن۔ خاندیس۔ صوبہ بمبئی وغیرہ میں ان کے لاکھوں مرید اور معتقدین ہیں۔ انھوں نے تصوف کے گھر میں جنم لیا اور خانقاہیت کی آغوش میں پرورش پائی۔ کئی مرشدوں سے استفادہ کیا اور فقیری میں بادشاہی کی شان سے بسر کی۔ پچاس پچپن برس کی عمر تک یہی رنگ رہا۔ اس کے بعد قرآن کی طرف آئے اور اب اسے ہر قسم کے زنگ سے پاک اور صاف عینک سے دیکھتے ہیں"؛ انھوں نے اپنے قرآنی ذوق و بصیرت کے حاصل کو زیر نظر کتاب میں جمع کیا ہے۔ کتاب انسان اور قرآن کے درمیان مکالمہ کی شکل میں پیش کی گئی ہے۔ انسان سوال کرتا ہے اور اس سوال کا جواب، قرآن کی آیات میں دیدیا جاتا ہے۔ اس طرح مختلف عنوانات کے ماتحت قرآن کی بہت سی آیات جمع ہو گئی ہیں جن کے ساتھ مختصر حواشی بھی ہیں۔ آیات قرآنی کے انتخاب اور ان کی ترتیب میں محترم مصنف نے محنت اور بصیرت سے کام لیا ہے اور ان کے حواشی ان کی صحتِ نظر کی شہادت دیتے ہیں۔ لیکن قرآنی آیات کے ساتھ چلتا چلتا قاری جب کتاب کے آخری صفحات پر پہنچتا ہے تو ٹھٹک کر رہ جاتا ہے کہ کیا یہ اسی کتاب کا جزو ہے۔ اس حصہ میں مصنف نے نبی اکرمؐ کے معجزات کا تذکرہ کرتے ہوئے حسب ذیل انداز کے واقعات پیش کئے ہیں:-

> ابن بطوطہ اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے کہ پھر ہم دو دکنن (مالابار) میں اترے ہوئے جو کہ ساحل سمندر پر واقع ہے یہاں کا بادشاہ اہل ہنود سے ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کے دادا نے اسلام قبول کر لیا تھا اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہاں ایک درخت کے پتوں پر (جو کہ اب بھی ہے) اور جو کسی حالت میں سوائے موسم خزاں کے کہ جس زمانے میں اس کے پتے اول زرد، پھر سُرخ ہو جاتے ہیں، رنگ نہیں بدلتا کلک قدرت سے ہی کلمۂ طیبہ لکھا رہتا ہے نومسلم بادشاہ نے اس کی یہ حالت دیکھ کر اس درخت کے پاس جو کہ نہایت بلند ہے۔ ایک مسجد تعمیر کر دی تھی اور خود اسلام قبول کر لیا تھا۔ (دیکھو صفحہ ۱۲۲ اردو ترجمہ سفرنامہ ابن بطوطہ ۱۹۲۵ء)

> ۱۲ جولائی ۱۹۵۱ء کو زنجبار مشرقی افریقہ میں ایک ماہی گیر کی کشتی میں ایک مچھلی خود بخود آ کر گری (جس) کی دم پر بخط نسخ (عربی) میں ایک طرف لا الٰہ الا اللہ اور دوسری طرف شان اللہ لکھا ہوا تھا۔

> ابھی تھوڑا عرصہ ہوا کہ نئی دہلی کی تعمیرات میں ایک سنگ مرمر کا ٹکڑا جب آرہ مشین سے تراشا گیا تو اس میں

رسول اکرمؐ کا اسم اقدس "محمد" پایا گیا۔ پتھر کے کاٹے جانے سے وہ لفظ دونوں ٹکڑوں پر آ گیا جس کا عکس ذیل میں درج ہے۔ یہ ٹکڑہ سنگ مرمر سفید کا ہے اور اسم مبارک سیاہ رنگ میں ہے۔ اب یہ پتھر آرہ مشین کی دیوار میں آویزاں ہے

سی۔پی وغیرہ علاقوں میں آسمان پر بخط نور اسم محمد نظر آیا تھا جس کو لاکھوں ہندوؤں، عیسائیوں، یہودیوں، پارسیوں اور مسلمانوں نے دیکھا تھا، جس میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی، امیر بھی تھے اور غریب بھی، بوڑھے بھی تھے اور جوان بھی، بچے بھی تھے اور بڑے بھی، مخالف بھی تھے اور موافق بھی، جس طرح سورج سب کو نظر آتا ہے اور جس طرح چاند کو سب دیکھتے ہیں اور جس طرح آسمان اور اس کے ستارے ہر ایک کو نظر آ سکتے ہیں۔ محمد رسول اللہؐ کا نام بھی سب ہی نے دیکھا اور سب ہی کو نظر آیا۔

۲ فروری ۱۹۲۷ء کا دن گذر کر شب چہارشنبہ میں شام کے بعد مغرب کی سمت ایک تارا ٹوٹا جس کی شعاع بیحد درخشاں اور روشن تھی اس شعاع نے بڑھ کر آسمان پر ایک مدّ کی شکل اختیار کی جو اس طرح پر تھی (ر) پھر اس مدّ میں ایک لہر سی پیدا ہوئی جو اس شکل (سر) کی مانند تھی۔ پھر لہر کے ایک حصہ نے میم کی صورت اختیار کر لی (م) اس میم میں ح شامل ہوئی اور شعاع کی شکل یہ ہو گئی (مح) پھر اس میم اور ح کے ساتھ دوسری میم نمودار ہوئی اور یہ صورت نظر آئی (محم) اس کے بعد دال کی شکل نمایاں ہوئی اور لفظ (محمد) تمام مومنین قانتین کی نگاہوں کو نور اور دل کو سرور بخشنے لگا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ۔

یہ دراصل تصوف کے ان گہرے نقوش کا اثر ہے جو محترم مصنف کے تحت الشعور میں مرتسم ہیں۔ امید ہے کہ جب وہ قرآن کریم میں مزید غور و فکر کریں گے تو یہ نقوش مٹتے جائیں گے اور ان پر یہ حقیقت واضح طور پر منکشف ہو جائے گی کہ رسول اللہ کے معجزات اس قسم کے توہم پرستانہ واقعات نہیں بلکہ اس دین کی صداقتیں ہیں جن کا اعتراف رفتہ رفتہ ساری دنیا کئے چلی جا رہی ہے۔

کتاب کے شروع میں مثنوی مولانا روم کے چند اشعار دیئے گئے ہیں ان میں ایک شعر یہ بھی ہے۔

حرفِ قرآں را مداں کہ ظاہر است
زیرِ ظاہر باطنے ہم قاہر است

الفاظِ قرآن کے "باطنی معانی" کا تصور یکسر غیر قرآنی اور علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں قرآن کو منسوخ کر دینے کا ذریعہ ہے۔ اس قسم کے تصورات سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

کتاب طلوع اسلام کے سائز کے ۹۲ صفحات پر مشتمل ہے اور حسنی لائبریری۔ اقبال روڈ۔ ٹنڈو آدم (سابق سندھ) سے ایک روپیہ میں مل سکتی ہے۔

## ۵۔ امام ابن ماجہؒ اور علم حدیث

محمد عبد الرشید نعمانی صاحب کی یہ تالیف، نور محمدؐ کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ روڈ۔ کراچی کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ کتاب کے نام سے ایسا پتہ چلتا ہے کہ اس میں امام ابن ماجہؒ کے کوائف زندگی اور تدوینِ حدیث کے متعلق ان کوششوں کا ذکر ہوگا۔ لیکن (خود مؤلف کے الفاظ میں)

> کہنے کو یہ امام ابن ماجہ کی سوانح عمری ہے لیکن درحقیقت یہ تدوینِ حدیث کی تفصیلی تاریخ ہے اور مسلمانوں کی ان جانفشانیوں کا مرقع ہے جو انھوں نے خدا کے آخری پیغمبر جناب محمد مصطفیٰؐ کی تعلیمات کے ایک ایک حرف کو محفوظ کرنے کے لئے اٹھائی ہیں تاکہ امانتِ وحی کی ذمہ داری میں جو اس امت کے سپرد کی گئی تھی کسی قسم کا رخنہ نہ آنے پائے اور اللہ کی حجت تمام اہلِ ملل و ادیان پر تمام ہو۔

جہاں تک امام صاحب کے حالات کا تعلق ہے، کتاب زیر نظر میں لکھا ہے کہ

> امام ابن ماجہ کی زندگی کے عام حالات بالکل پردۂ اخفا میں ہیں اور ہمارے تذکرہ نویس ان کے ذکر سے یکسر خاموش ہیں۔

لہٰذا کتاب درحقیقت تدوینِ حدیث کے متعلق ہے۔ امام صاحب کا نام (غالباً) ندرت اور خصوصیت پیدا کرنے کے لئے چپکا دیا گیا ہے۔ ہمارے ہاں درحقیقت ہوا یہ ہے کہ پانچ سات سال اُدھر کا ذکر ہے، کسی نے (اپنی کسی خاص مصلحت کی بنا پر) یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ یہاں منکرینِ حدیث کا ایک گروہ پیدا ہو رہا ہے جو دین میں ایک نئے فتنے کا موجب ہے۔ اس فتنے کا کچلنا اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ ناموسِ رسالت اور تحفظِ دین کے نام پر دھڑا دھڑ چندے جمع ہونے شروع ہو گئے۔ پوسٹر چھپنے لگے۔ پمفلٹ شائع ہونے شروع ہو گئے۔ کتابوں پر کتابیں لکھی جانے لگیں۔ واعظوں کو گرمئ محفل کا سامان مل گیا۔ بیکاروں کے ہاتھ ذریعہ معاش آگیا۔ دوکانداروں کی دوکانداری چل گئی۔ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے اور کوئی کھڑا ہو کر اتنا نہیں سوچتا کہ وہ منکرینِ حدیث ہیں کہاں اور وہ کہتے کیا ہیں؟ آنے والا مؤرخ جب ہمارے دور پر نگاہ ڈالے گا تو حیران رہ جائے گا کہ قوم کا اس قدر وقت۔ توانائی اور روپیہ اس موہوم خطرہ کی مدافعت میں صرف ہو گیا جس کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ جنھیں یہ لوگ منکرینِ حدیث کہتے ہیں جب وہ مؤرخ ان کے مسلک و مشرب کا جائزہ لے گا تو وہ دیکھے گا کہ وہ وہی تھا جس کے مدعی، انھیں منکرینِ حدیث قرار دینے والے خود آپ تھے۔ دنیا میں ان قوموں کی یہی حالت ہوا کرتی ہے جو سوچنے اور غور کرنے کے بجائے جذبات میں بہہ جانے کے عادی ہو جائیں۔ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ (ان کے کام بے نتیجہ رہتے ہیں) انہی کے لئے آیا ہے۔

یہ کتاب بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس میں جس قسم کی تحقیق انیق پیش کی گئی ہے اس کا اندازہ ایک مثال سے لگائیے۔ فرماتے ہیں۔

> یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جب محدثین احادیث کی تعداد کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد متونِ احادیث نہیں بلکہ طرق و اسانید ہوتے ہیں۔ نیز سلف کا دستور تھا کہ وہ آثار صحابہ و تابعین اور ان کے فتاوے کے لئے بھی حدیث کا لفظ استعمال کیا کرتے

تھے۔ حافظ سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں:۔

> اور اسی طرح اس تعداد میں مکررات اور موقوفات کے علاوہ صحابہ و تابعین وغیرہ کے آثار و فتاوی بھی داخل ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے لئے متقدمین حدیث کا لفظ استعمال کرتے تھے۔
>
> اس کے بعد سخاوی لکھتے ہیں کہ بہت سی حدیثیں ہیں کہ جو سو سو سندوں کے ساتھ مروی ہیں اور حدیث انما الاعمال بالنیات کے متعلق تو حافظ ابو اسمٰعیل انصاری ہروی سے منقول ہے کہ انھوں نے حدیث مذکور کو اس کے صرف ایک راوی یحییٰ بن سعید انصاری سے ان کے سات سو شاگردوں کی سند سے لکھا ہے۔
>
> آج کل کے منکرین حدیث نے ابلہ فریبی کے لئے یہ شور مچا رکھا ہے کہ موجودہ حدیث کی کتابوں میں چند ہزار سے زائد احادیث کی تعداد پائی نہیں جاتی اور محدثین یہ کہتے ہیں کہ ہم نے لاکھوں حدیثوں سے ان کا انتخاب کیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ احادیث کی بڑی تعداد خود محدثین کے بیانات کے مطابق خودساختہ ہے لہذا ایسی صورت میں ان چند ہزار کا بھی کیا اعتبار رہ جاتا ہے کہ جن کو لاکھوں موضوعات سے چھانٹ کر صحیح قرار دیا گیا ہو۔ اس لئے آپ خوب سمجھ لیجئے کہ یہ ایک بہت ہی بڑا سنگین مغالطہ ہے جو بیچارے ناواقف عوام کو دیا جا رہا ہے، کیونکہ محدثین کے یہاں تو احادیث کی تعداد کا حساب ان کی اسانید کے اعتبار سے ہوتا تھا نہ کہ متون کے لحاظ سے پس اگر کسی حدیث کی مثلاً سو اسنادیں ہیں تو اس کی تعداد اپنی اسانید کے اعتبار سے سو ہوگی چنانچہ حدیث انما الاعمال بالنیات کا جب شمار لگائیں گے تو اس کی سات سو اسنادوں کے اعتبار سے سات سو شمار کریں گے۔

اس حسابی قاعدے کی رُو سے، یا تو صحیح بخاری کی چھ ہزار احادیث کے متعلق سمجھا جائے گا کہ وہ درحقیقت (۶۰۰۰ × ۷۰۰) بیالیس لاکھ ہیں۔ اور یا یہ جو کہا جاتا ہے کہ امام بخاری نے چھ لاکھ احادیث میں سے چھ سات ہزار کا انتخاب کیا تھا تو) اس چھ لاکھ کے متعلق سمجھا جائے گا کہ وہ (۶۰۰۰۰۰ ÷ ۷۰۰) قریب ساڑھے آٹھ سو تھیں۔

اگر آپ آج ائمہ سلف میں سے کسی کے متعلق اتنا کہہ دیں کہ انھوں نے یہ غلطی کی ہے تو جب تک آپ کو اسلام سے خارج نہ کر دیا جائے دم نہیں لیا جائے گا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان حضرات کے ہمعصر انھیں بشر ہی سمجھتے تھے اور ایک دوسرے پر کھلی کھلی تنقید کرتے تھے۔ مثلاً کتاب زیر نظر میں تحریر ہے کہ

> امام ابوزرعہ اور امام ابوحاتم نے تاریخ و رجال کے سلسلہ میں امام بخاری کی بہت سی غلطیاں نکالی ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن ابی حاتم نے امام بخاری کے تاریخی اوہام پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ہے "کتاب خطاء البخاری"۔ حافظ زین الدین عراقی اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ابن ابی حاتم نے اس کتاب میں امام بخاری کی تاریخی غلطیاں جمع کر دی ہیں۔ (صفحہ ۹۴)

اس سے ذرا آگے ہے۔

حافظ مسلمہ بن قاسم اندلسی المتوفی ۳۵۳ھ کتاب الصلہ میں لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنے استاد علی بن المدینی کی کتاب العلل کو ان کے غیاب میں ان کے صاحبزادے کو مال کی طمع دلا کر حاصل کیا اور پھر اسی کتاب کی عبارتوں کو ابن المدینی کے سامنے پیش کرتے رہے اور آخر اسی کی بدولت رسن سے بے نیاز ہو کر خراسان کی راہ لی .... اور کتاب الصحیح کی تالیف کی۔

یہ امام بخاریؒ کے متعلق ہے۔ امام مسلمؒ کے متعلق حافظ ابو احمد نیشاپوری (المتوفی ۳۷۸ھ) کے حوالہ سے لکھا ہے۔

جو شخص بھی مسلم کی کتاب الاسماء والکنی پر غور کرے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ مسلم کی کتاب قدم بہ قدم محمد بن اسمٰعیل کی کتاب سے منقول ہے حتیٰ کہ انھوں نے اپنی تصنیف میں جو کچھ اس کتاب پر اضافہ کیا ہے وہ بآسانی شمار کیا جا سکتا ہے۔ اور پھر اس کی نقل میں پوری ڈھٹائی سے کام لیا اور کہیں اس کا حوالہ نہیں دیا۔ (صفحہ ۹۶-۹۵)

کتاب قریب اڑھائی سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد قریب ایک سو صفحہ پر اس کا اشاریہ ہے۔ قیمت مجلد آٹھ روپے۔

---

**مختصر خصائل نبویؐ** یہ ایک مختصر سا کتابچہ (چھوٹے سائز کے اسی صفحات پر مشتمل)، کارخانہ تجارت کتب آرام باغ روڈ کراچی سے شائع ہوا ہے (صفحات اسی۔ قیمت ایک روپیہ) جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی اکرمؐ کے روزمرہ کے معمولات کیا تھے۔ حضورؐ کھاتے پینے کس طرح تھے۔ چلتے پھرتے کیسے تھے۔ آپؐ کی مرغوبات کیا تھیں۔ سونے جاگنے کے انداز کیا تھے۔

حضورؐ کی حیات طیبہ کے متعلق جس قدر معلومات بھی فراہم، جمع اور محفوظ ہو سکیں، ہر مسلمان کے لئے وجہِ شادابیٔ قلب و نظر ہیں۔ لیکن اس ضمن میں جو اہم اور بنیادی سوال سامنے آتا ہے اس کا صاف، واضح اور متعین جواب بھی نہایت ضروری ہے۔ اور وہ سوال یہ ہے کہ جن امور کو حضورؐ نے اپنی بشری زندگی کے معمول کے طور پر کیا تھا، کیا ان کا اتباع بھی جزو شریعت ہے (مثلاً یہ کہ حضورؐ ہر رات سوتے وقت سرمہ لگاتے تھے اور آپ کی سرمہ دانی سیاہ رنگ کی ہوتی تھی۔ صفحہ ۴۴ یا پاؤں کے ناخن کاٹتے وقت آپ چھنگلیا سے شروع کرتے اور انگوٹھے پر ختم کرتے صفحہ ۲۲)۔ اس ضمن میں کتاب زیر نظر کے دیباچہ میں لکھا ہے۔

کیا جن چیزوں کو آپ ناپسند فرماتے تھے۔ ہم پسند کریں۔ یا جن کو آپ نامرغوب رکھتے تھے ہم مرغوب رکھیں اور پھر بھی متابعتِ رسول کا لفظ ہم کو زیب دے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟ پناہ بخدا۔ بہت سوں کو یہ کہتے سنا کہ بے شک کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا سنت ہے مگر ہماری طبیعت اس کو گوارا نہیں کرتی۔ زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت ہے مگر ہم اگر زمین پر کھائیں تو سیری نہیں ہوتی۔ کھانے کے بعد ہاتھ دھو کر ہاتھوں کو سر، چہرے اور ہاتھوں پر مل لینا سنت ہے۔ مگر یہ عادت ڈالنا ہمارے لئے بہت مشکل ہے غرض اسی طرح لغو اور شرمناک عذر بیان کر کے شریعت سے اپنے آپ کو

معذور سمجھ لیتے ہیں۔ (صفحہ ۱۶)

(یعنی مصنف کتاب (مولانا سعد حسن یوسفی صاحب) ان امور کو جزوِ شریعت قرار دیتے ہیں۔ لیکن کسی دوسرے مولوی صاحب سے آپ پوچھیں گے تو وہ فرمائیں گے کہ ایسے امور داخلِ شریعت نہیں ہیں۔ کوئی "اور مولوی صاحب" تو ایک طرف رہے، اس وقت ہو یہ رہا ہے کہ ایک ہی صاحب، (جب ان کی مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے) حضورؐ کے ہر عمل کو شریعت قرار دیتے ہیں اور دوسرے وقت (جب ان کی مصلحت کا تقاضا اور ہوتا ہے) وہ بعض امور کے متعلق کہہ دیتے ہیں کہ یہ شریعت کا جزو نہیں ہیں۔ مثلاً جب علامہ اسلم جیراج پوریؒ نے لکھا کہ حضورؐ کی ایک حیثیت رسولؐ کی ہے اور دوسری حیثیت بشری۔ تو سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اس پر سخت اعتراض کیا اور فرمایا

> لیکن یہ تفریق جو انھوں نے (علامہ اسلم جیراج پوری نے) محمدؐ بن عبداللہ بہ حیثیت انسان اور محمدؐ رسول اللہ بہ حیثیت مبلغ ہونے کے درمیان کی ہے۔ قرآن سے ہرگز ثابت نہیں۔ قرآن میں آنحضرتؐ کی ایک ہی حیثیت بیان کی گئی ہے اور وہ رسول اور نبی ہونے کی حیثیت ہے۔ جس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصبِ رسالت سے سرفراز کیا اس وقت سے لیکر حیاتِ جسمانی کے آخری سانس تک آپ ہر آن اور ہر حال میں خدا کے رسول تھے۔ آپ کا ہر فعل، ہر قول، رسولِ خدا کی حیثیت سے تھا۔ حتیٰ کہ آپ کی نجی اور شہری زندگی کے سارے معاملات بھی اسی حیثیت کے تحت آگئے۔ قرآن سے خفیف سے خفیف اشارہ بھی ایسا نہیں ملتا جس کی بناء پر آنحضرتؐ کی حیثیتِ رسالت اور حیثیتِ انسان اور حیثیتِ امارت میں کوئی فرق کیا گیا ہو (تفہیمات حصہ اول صفحہ ۲۲۱)

یہ اس زمانے (۱۹۳۶ء) کا ذکر ہے جب مودودی صاحب حیدرآباد میں تھے۔ بعد میں جب یہ پٹھانکوٹ تشریف لے گئے اور وہاں ایک جماعت کی بنیاد ڈالی تو آپ نے داڑھی بڑھالی (رکھالی)، اس کے بعد انھوں نے اس کی لمبائی میں کمی کردی تو شریعت پسند حضرات نے اعتراض کردیا کہ ان کی داڑھی کی لمبائی سنت کے مطابق نہیں ہے۔ اس پر مودودی صاحب نے لکھا۔

> سنت کے متعلق لوگ عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ نبیؐ نے جو کچھ اپنی زندگی میں کیا ہے وہ سب سنت ہے۔ لیکن یہ بات ایک بڑی حد تک درست ہونے کے باوجود ایک حد تک غلط بھی ہے۔ دراصل سنت اس طریقِ عمل کو کہتے ہیں جس کے سکھانے اور جاری کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو مبعوث کیا تھا۔ اس سے شخصی زندگی کے وہ طریقے خارج ہیں جو نبی نے بہ حیثیت ایک انسان ہونے کے یا بہ حیثیت ایک ایسا شخص ہونے کے جو انسانی تاریخ کے ایک خاص دور میں پیدا ہوا تھا اختیار کئے۔ ...... (جو) چیزیں ایسی ہیں جو حضورؐ کے اپنے شخصی مزاج اور قومی طرزِ معاشرت اور آپ کے عہد کے تمدن سے تعلق رکھتی ہیں ان کو سنت بنانا نہ تو مقصود تھا نہ اس کی پیروی پر اس دلیل سے اصرار کیا جاسکتا ہے کہ حدیث کی رُو سے اس طرزِ خاص کا لباس نبیؐ پہنتے تھے۔ اور نہ شرائع الٰہیہ اس غرض کے لئے آیا کرتی ہیں کہ کسی خاص شخص کے ذاتی مذاق یا کسی قوم کے مخصوص تمدن یا کسی خاص زمانے کے رسم و رواج کو دنیا بھر کے لئے

اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سنت بنا دیں۔ سنت کی اس مخصوص تعریف کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جو چیزیں اصطلاح شریعت میں سنت نہیں ہیں ان کو خواہ مخواہ سنت قرار دے لینا منجملہ ان بدعات کے ہے جس سے نظام دینی میں تحریف واقع ہوتی ہے۔ (رسائل و مسائل صفحہ ۳۱۰-۳۱۱)

آپ نے غور فرمایا جب فریق مخالف کو مطعون کرنا مقصود تھا تو اس وقت ارشاد یہ تھا کہ

جس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب رسالت سے سرفراز فرمایا اس وقت سے لے کر حیات جسمانی کے آخری سانس تک آپ ہر آن اور ہر حال میں خدا کے رسول تھے اور آپ کا ہر فعل اور ہر قول رسول خدا کی حیثیت سے تھا۔ حتیٰ کہ آپ کی نجی اور شہری زندگی کے سارے معاملات بھی اسی حیثیت کے تحت آگئے تھے۔

اور جب معاملہ اپنی ذات تک پہنچا تو اس وقت فرما دیا کہ جن امور کو حضورؐ نے اپنی شخصی حیثیت سے سرانجام دیا تھا۔ ان کو خواہ مخواہ سنت قرار دے لینا منجملہ ان بدعات کے ہے جس سے نظام دینی میں تحریف واقع ہوتی ہے۔

اب آپ نے سمجھ لیا کہ طلوع اسلام اس بات پر کیوں زور دیتا ہے کہ "سنت" کی کوئی جامع تعریف (Definition) متعین کیجئے اور یہ حضرات اس سے کیوں گریز کرتے ہیں؟ یہ اسے دانستہ مبہم اور غیر متعین رکھنا چاہتے ہیں تاکہ جسے جی چاہے تارک سُنت قرار دیدیا۔ سُنت کا معیار ان کے نزدیک کیا ہے؟ اسے بھی مودودی صاحب کے زبانِ قلم سے سن لیجئے۔ فرماتے ہیں۔

ایسی صورت میں یہ فرق و امتیاز کرنا کہ اس عمل کا کونسا جزو سنت ہے اور کونسا جزو عادت، بغیر اس کے ممکن نہیں ہوتا کہ آدمی اچھی طرح دین کے مزاج کو سمجھ چکا ہو۔ (ایضًا)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جب پاکستان کے قوانین "کتاب و سنت" کے مطابق مرتب ہوں گے تو اس وقت اس امر کا فیصلہ کون کریگا کہ فلاں بات سُنت کے مطابق ہے یا نہیں اور اس کا معیار کیا ہوگا؟

یہ تھی اس سوال کی وہ اہمیت جس کے پیش نظر طلوع اسلام نے اسے اٹھایا تھا اور ارباب شریعت سے گزارش کی تھی کہ وہ متعین کریں کہ "سنت کسے کہتے ہیں" اور یہ ہے اس کا وہ جرم جس کی پاداش میں اسے نہ معلوم کیا سے کیا قرار دیا جا رہا ہے! یاد رکھیے جب تک دین کے متعلق ہر تصور کو واضح اور متعین طور پر پیش نہیں کیا جائے گا ملت کا موجودہ انتشار کبھی ختم نہیں ہو سکے گا۔

اس وقت تو حالت یہ ہے کہ جن امور کو یوسفی صاحب اتباع سنت قرار دیتے ہیں، انھیں مودودی صاحب بدعت اور دین میں تحریف ٹھہراتے ہیں اور لطف یہ کہ دونوں متبع سنت ہیں۔ لیکن جو شخص یہ کہہ دے کہ صاحب! ذرا بات صاف کر دیجئے کہ ان دونوں میں سے کس کا مسلک صحیح ہے، اُسے منکرِ سُنت قرار دیدیا جاتا ہے۔

ادارۂ طلوعِ اسلام اور قرآنک ریسرچ سینٹر کا ٹیلیفون نمبر 7500 ہے۔ نوٹ کر لیجئے

# رابطۂ باہمی

## بزمہائے طلوع اسلام کیلئے

**۱۔ روئیدادیں** جن بزموں کی طرف سے روئیدادیں موصول ہوئی ہیں وہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ بعض بزموں نے اگست کے ساتھ جولائی ۱۹۵۸ء کی روئیداد بھی بھیجی ہے۔ لیکن ہم صرف ماہ رواں کی روئیداد ہی شائع کر رہے ہیں

**کراچی** بزم طلوع اسلام کراچی کے گذشتہ ماہ پانچ اجتماعات منعقد ہوئے۔ احباب ان اجتماعات میں پابندی سے شرکت کر رہے ہیں۔ ایک اجتماع شہر سے باہر شیر شاہ کالونی۔ شیر شاہ لائبریری بزم طلوع اسلام میں منعقد ہوا۔ اس فاصلے کے باوجود حاضرین کی تعداد معقول رہی۔ بزم نے اس ماہ کوئی نیا کام انجام نہیں دیا۔ پچھلی تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کی سعی کی گئی خصوصاً دارالمطالعہ کے قیام کے سلسلہ میں کافی جدوجہد جاری ہے۔ بزم کے شائع کردہ پمفلٹ کی تقسیم نہایت خوش اسلوبی سے جاری ہے۔ اگلا پمفلٹ "ہمت مرداں مدد خدا" کے عنوان سے اس ماہ شائع ہو جائے گا۔

---

**ڈیرہ غازی خان** دریائے سندھ کی تباہ کاریوں اور موسم گرما کی شدت کے پیش نظر قرار پایا کہ

(ا)۔ لاہور کا ایک روزہ کنونشن کے لئے ماہ اکتوبر تجویز کیا گیا۔ جس میں (ا) ترجمان کے علاوہ دو ڈیلی گیٹس کی شرکت کے لئے اجازت طلب کی جائے۔

(ب) جریدہ طلوع اسلام کی اشاعت کے سلسلے میں جناب چوہدری غلام محی الدین صاحب تحصیل دار نے یکم ستمبر ۱۹۵۸ء سے مندرجہ ذیل اداروں کے لئے اپنی جیب خاص سے اخراجات کا ادا کرنا منظور کیا۔

لائبریری اسلامیہ ہائی اسکول ڈیرہ غازی خان

گورنمنٹ ہائی اسکول

لائبریری گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول ڈیرہ غازی خان

ج۔ جناب ملک ڈاکٹر محمد حیات صاحب میڈیکل سپرنٹنڈنٹ ڈیرہ غازی خاں نے تبلیغ واشاعت کے لئے بزم کو ایک بلیک بورڈ قیمتی /۴۲ روپے پیش کیا۔ قرار پایا کہ "زیر عنوان" قرآن نے کیا کہا" ہفتہ میں دو بار موقع و محل کی مناسبت سے پیش کیا جائے تاکہ نشر واشاعت میں آسانی پیدا ہو۔

(د) جناب ظہیر احمد سوری۔ برائے شہر ڈیرہ غازی خاں۔ جناب محمد اسماعیل شہید صاحب۔ ایس۔ ڈی۔ او مضافات ضلع ڈیرہ غازی خاں کو انچارج مقرر کیا گیا کہ وہ شہر و دیہات کے معزز و سنجیدہ اشخاص کی خدمت میں قلمے سخنے، قدمے حاضر ہوں یا پمفلٹس کو فراہم کر کے "مسلک بزم" سے ہم نوا کریں۔ تاکہ نظام ربوبیت کے حق میں فضا کو ہموار کیا جا سکے۔

---

**ٹنڈو محمد خان**

بزم طلوع اسلام کا ۲۰ر تاریخ کو اجلاس ہوگا جس میں محترم پرویز صاحب کا مضمون "من و یزداں" کا سندھی میں ترجمہ سنایا جائے گا۔ ادارہ کی کتابیں جو میرے پاس ہیں وہ شہر کے لوگ پڑھنے کے لئے لیجاتے رہتے ہیں اور قرآنی نظام کے متعلق اور زیادہ جاننے کے لئے پوچھتے ہیں۔ جب سندھی میں پمفلٹ چھپنے لگیں گے تو امید ہے کہ بفضل تعالیٰ بہت سے احباب متفق نظر آئیں گے۔

حیدر آباد کے احباب کو بھی مشورہ دیا ہے کہ وہ بزم قائم کریں۔

---

**مظفر گڑھ**

(۱) بوجہ شدتِ گرما بزم کا ماہانہ اجلاس منعقد نہیں ہوا۔ فرداً فرداً ملاقات کے دوران بزم کے ارکان نے بزم کے ترجمان سے مطالبہ کیا کہ بزم کی لائبریری کے لئے ادارہ کی نئی کتابیں منگائی جائیں۔ چنانچہ کتب منگائی گئی ہیں۔

(۲) بزم کے ایک معزز رکن کی کنونسنگ پر کالج کے دو لڑکوں نے ادارہ کی کتب کا مطالعہ شروع کر دیا ہے ان کا ذوق مطالعہ دن بدن بڑھتا چلا جارہا ہے۔ امید ہے کہ بہت جلد بزم کی رکنیت قبول کر لیں گے۔ ترجمان کی طرف سے افہام و تفہیم کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ طریق کار جید مفید ثابت ہوا ہے۔ بزم کے ارکان کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی کتب کا مطالعہ شروع کر دیا ہے۔

---

**راولپنڈی**

حسب ہدایت، بزم کا خصوصی اجتماع آج ۱۵ر اگست ۱۹۵۸ء بروز جمعہ ۶ بجے شام بلایا گیا۔ سابق کے مقابلہ میں ممبران کی حاضری حوصلہ افزا ثابت ہوئی۔ قرآنی فکر کی اشاعت و ترویج کے لئے مختلف تجاویز زیر بحث لائی گئیں۔ چندہ کی فراہمی اور لٹریچر کے آگے پہنچانے کی تجویز پر خاصا زور دیا گیا۔ بحمد اللہ حوصلہ اور ولولہ پُر اثر تھا اور امید ہے کہ آیندہ ممبران کے خلوص کی بنا پر بلینک رپورٹ کی خدانخواستہ نوبت نہیں آئے گی۔

---

**چنیوٹ**

ماہانہ رپورٹ قدرے تاخیر سے روانہ کر رہا ہوں۔ معذرت خواہ ہوں۔ دراصل بعض ہنگامی یا عارضی مشکلات کے باعث تاخیر ناگزیر ہو گئی۔ انشاء اللہ آیندہ ۱۵ تاریخ سے پہلے رپورٹ بھیج دیا کروں گا۔

بزم کے اجتماعات ہر ماہ ہوتے ہیں ۷۰-۸-۱۲ کی کارروائی ارسالِ خدمت ہے

حسبِ معمول آج مورخہ ۷۰-۸-۱۲ ابتدائی بزم طلوعِ اسلام چنیوٹ، اجلاس منعقد ہوا جس میں مقامی بزم کے ارکان کے علاوہ خالد صاحب نمائندہ کلری نے بھی شرکت فرمائی۔ تلاوت کلام پاک کے بعد چوہدری چراغ محمد صاحب رکن بزم چنیوٹ کے فرزند غازی کی وفات حسرت آیات پر دلی رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔ مقامی بزم اس صدمہ میں برابر کی شریک ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

لغات القرآن کے سلسلہ میں بزم چنیوٹ مبلغ ایک سو روپے ادارہ کو ارسال کر چکی ہے انشاء اللہ دو ماہ تک بقیہ ۵۰/- روپے بھی ادارہ کو بھیج دیئے جائیں گے۔ نمبر جان صاحب بقیہ ۵۰/- ۲ روپے کی ادائیگی کا بندوبست فرما دیں تاکہ رقم وعدہ کے مطابق پہنچ جائے۔

سید حامد شاہ صاحب کی تحریک پر بزم نے طے کیا ہے کہ اراکین بزم "سیاست کے ہنگاموں سے بالاتر رہیں گے اور الیکشن میں موزوں ترین امیدوار کو اس کی ذاتی قابلیت اور سیرت کی بنا پر ہی ووٹ دیں گے۔ ازاں بعد اجلاس برخاست ہو گیا۔

بزم مشاورت کے انعقاد کے سلسلے میں گزارش ہے کہ آپ جو تاریخ مقرر فرمالیں گے ہمیں بسر و چشم منظور ہو گی۔ تحریک طلوعِ اسلام سے وابستہ ہوتے ہوئے ہماری کوئی مرضی نہیں ہے۔ آپ جب مناسب خیال فرمائیں ہمیں کوئی عذر نہیں ہو گا۔ "موسمی رکاوٹیں" ہمارے لئے سدِ راہ نہیں بن سکتیں۔

---

**شیخوپورہ**

ارکان بزم ہذا کا اجلاس مورخہ ۷۰-۸-۹ کو منعقد ہوا۔ حسبِ سابق مرزا غلام حیدر صاحب نے درسِ قرآن مجید دیا۔ پمفلٹ شائع شدہ منجانب ادارہ کی تقسیم بذریعہ ڈاک جاری ہے۔

بزم ہذا کی طرف سے لغات القرآن کی طباعت کے سلسلہ میں ۲۰۰ روپیہ کا جو اعلان ہوا تھا اس کی آخری قسط مورخہ ۷۰-۸-۱۰ کو ادا ہو چکی ہے۔ گویا بزم ہذا کی طرف سے کیا ہوا وعدہ پورا ہو چکا ہے حالات نے مزید اجازت دی تو جو کچھ ہو سکا مزید پیشِ خدمت کر دیا جائے گا۔

**پشاور**

بزم کا ہفتہ وار اجلاس ہر اتوار کو شام چھ بجے ایک گھنٹہ باقاعدہ بر مکان مرزا علی احمد منعقد ہو رہا ہے۔ جس میں عموماً بزم کے تنظیمی معاملات کو تاکیداً زیرِ بحث لایا جاتا ہے تاکہ ممبران کو آہستہ آہستہ عمل اور اس میں رابطہ قائم کرنے کی طرف مائل کیا جاوے۔ یہ امر خاص طور پر ان کے ذہن نشین کرایا ہے کہ ان بزموں کی تشکیل کا مدار ہی اسلامی معاشرہ کی طرف پہلا قدم ہے۔ اس لئے ممبران کو سختی کے ساتھ اس کی پابندی لازمی ہے

ہر مہینے کی پہلی اتوار کی میٹنگ صرف قرآنی خیالات کے نشر و اشاعت کے طریقہ کار سوچنے کے لئے وقف کی ہوئی ہے۔ اور ممبران سے استدعا کی جاتی ہے کہ اس طرف دھیان دیں اور اپنی حاضری سے بزم کی رونق دوبالا فرمایا کریں۔ بزم کے پاس کوئی مستقل فنڈ نہ ہونے کی وجہ سے

کوئی قدم اٹھانا مشکل نظر آرہا ہے۔ بزم کے مرکزی دفتر کے لئے جگہ کی تلاش جاری ہے۔ فنڈ اور جگہ کے مہیا ہونے پر فوری قدم اٹھایا جاوے گا۔

---

**ہنگو**

ہماری بزم نے منڈی بازار ہنگو میں دفتر ایک وسیع دوکان میں کھولا ہے۔ سردست اس کا کرایہ ماہوار ۱۶ روپے ہے جو سید اعجاز حسین صاحب میٹر ادا کرتے ہیں۔ چونکہ ہماری بزم میں متعدد واسطہ ادہیں۔ وہ ان ایام تعطیلات گرما گزار رہے ہیں۔ چونکہ ہمیں رمائی کو وقت سے فرصت مل گئی ہے لہذا دفتر مذکور میں روزانہ دو دفعہ ممبران صبح و شام حاضر ہو جاتے ہیں اور قرآنی مشاغل کو نصب العین بناتے ہیں

ہمارے پاس شہر کے نوجوان تعلیم یافتہ بھی ہمارا مطمع نظر معلوم کرنے کی استدعا کرتے ہیں۔ ان کی خدمت میں قرآن کریم پیش کیا جاتا ہے۔ اور ان سے عقل کے نام پر اپیل کی جاتی ہے کہ آپ اس کی روشنی میں اپنے خیالات کو پرکھ کر دیکھیں کہ آپ کے خیالات کہاں تک قرآنی ہیں

اکثر راسخ العقیدہ دوستوں کو پہلی بار (اکثر) یا چند بار ایسی باتیں بعید ناگوار گزرتی ہیں۔ چونکہ ہم ابتداء ہی میں ان سے قرآن اور عقل کے نام اپیل کر دیتے ہیں۔ لہذا وہ آہستہ آہستہ معقولات کے قائل ہوتے نظر آتے ہیں

---

**سیالکوٹ**

بزم کی ہفتہ وار میٹنگ باقاعدہ طور پر ہوتی ہے۔ دلچسپی رکھنے والے حضرات کو متعلقہ لٹریچر مہیا کیا جاتا ہے۔ انفرادی طور پر بھی لوگوں کو قرآن کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مبلغین کی کمی کو شدت سے محسوس کیا جاتا ہے۔ انفرادی طور پر بھی لوگوں کو قرآن کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مبلغین کی کمی کو شدت سے محسوس کیا جاتا ہے۔ تاہم انفرادی کوششوں سے بیرونجات میں بزمیں قائم کرنے کی سعی کی جارہی ہے۔

---

**حسینی ضلع جہلم**

(۱) سعی اشاعت القرآن کو تیز تر کرنے کے لئے تجویز کیا گیا کہ موازی -/8/- فی کس ماہوار چندہ علیحدہ جمع کرکے ہر ماہ اس رقم کے پمفلٹ ادارہ طلوع اسلام لاہور سے منگوا کر عوام میں مفت تقسیم کئے جاویں۔ اور اس کا ریکارڈ علیحدہ رکھا جائے۔

(۲) محترمی محمد اکرم صاحب بخوشی فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ ہر جمعہ کی آمدنی کا ۱/۲ حصہ اشاعت القرآن کے لئے وقف کرتے ہیں۔ یہ رقم وہ بزم ہذا کے سپرد کر دیا کریں گے۔

---

**پنج کسی ضلع ملتان**

۳ اگست کو بزم کا اجلاس ہوا۔ قرآنی فکر کو عام کرنے کے پروگرام کو تیز تر کرنے کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز پاس ہوئیں۔

(۱) خواندہ حضرات کو لٹریچر مہیا کیا جائے اور ان کی طرف سے اٹھائے ہوئے اعتراضات کا شافی اور تسلی بخش جواب دیا جائے۔

(۲) اپنے دوستوں شناساؤں کے سامنے انفرادی طور پر اور پرائیویٹ مجالس میں حاضرین کے سامنے قرآنی فکر کی دعوت پیش کیا جائے۔

۳- عوام میں پمفلٹس کے ذریعے اپنا نصب العین اور صحیح پوزیشن واضح کی جائے۔

۴- نواحی قصبہ جات میں اپنے شناساؤں کے ہاں بطور مہمان رات بسر کرنے کا پروگرام بنایا جائے۔ تاکہ ان لوگوں کو اس دعوت سے قریب تر لایا جائے۔

---

## مردان

مورخہ ہ۱ اگست کو ڈاکٹر رضا محمد خان کے مکان پر رفقاء بزم کا ایک فوری جلسہ بلایا گیا۔ اس میں رفقاء بزم کی توجہ اس عطیہ کی ادائیگی کی طرف مبذول کرائی گئی جس کا اعلان راولپنڈی کنونشن میں بزم کی طرف سے کیا گیا تھا۔ رفقاء بزم نے فیصلہ کیا کہ یہ رقم بلا مزید تاخیر فوراً بھیجی جانی چاہیئے۔ چنانچہ آج مبلغ آٹھ سو روپے کی بقایا رقم ایک ڈرافٹ کے ذریعہ الگ خط کے ذریعہ بھیج دی گئی۔

۲- اس اجلاس میں متفقہ طور سے ایک بار ادارہ سے پھر سفارش کی گئی کہ اپنے پریس کا ہونا اس مشینی دور میں بہت اہمیت رکھتا ہے اس لئے مفہوم و لغات القرآن کی چھپائی پر پریس کی خرید مقدم رکھی جائے۔

۳- یہ فیصلہ بھی ہوا کہ عوام اور خصوصاً اہل علم حضرات سے رابطہ پیدا کرنے اور قرآنی فکر عام کرنے کے لئے ہر مہینے میں بزم کا ہر ایک رفیق صرف ایک دن اس مقصد کے لئے نکال لیا کرے۔ اور قرآن کا پیغام اس حسن و خوبی سے عوام تک پہنچائے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے آیت اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ کے تحت دیا ہے۔

۴- ہمارے ایک محترم رفیق محمد جلال خان پچھلے سال ملازمت کے سلسلے میں یہاں تشریف لائے تھے۔ اس مہینے سے وہ لمبی رخصت پر اپنے شہر کوہاٹ واپس چلے گئے۔ وہ طلوع اسلام کی تحریک کے دیرینہ خادموں میں سے ہیں۔ جاتے وقت ہماری بزم نے کچھ کتابیں ان کو بطور عطیہ دیدیں اور اُن سے درخواست کی کہ کوہاٹ میں قرآنی نشر و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے ان کتابوں سے بھی مدد لیا کریں۔

۵- لائبریری بدستور قائم ہے اور قرآنی تعلیم کے نشر و اشاعت میں ممد ثابت ہو رہی ہے۔

۶- قرآن کا درس بھی معمول کے مطابق ہر روز ہو رہا ہے۔

---

## نئی بزمیں

منظور شدہ بزموں کی فہرست میں ذیل کا اضافہ کیا جاتا ہے:-

(۱) پنڈ دادن خان ــــ ضلع جہلم ــــ نمایندہ محترم صوفی غلام محمد

(۲) چونڈہ ــــ ضلع سیالکوٹ ــــ نمایندہ محترم محمد شفیع بٹ۔

(۳) ٹنڈو محمد خان ــــ ضلع حیدرآباد۔

## مقام محمدی

ربیع الاول کا مہینہ آ رہا ہے بزمیں خصوصیت سے یہ فریضہ اپنے ذمہ لیں کہ "مقام محمدی" کا پمفلٹ زیادہ سے زیادہ ہاتھوں میں پہنچا دیا جائے۔ اس تقریب کے منانے کا یہ بہترین طریقہ ہے۔ پمفلٹ ادارہ میں کافی تعداد میں موجود ہیں۔

# انتہائی کم قیمت پر بہترین کپڑا

# 9000

☆ ——— اعلیٰ درجہ کی سفید شرٹنگ

☆ ——— مرغا چھاپ سفید شرٹنگ

☆ ——— دل چھاپ ساٹن ڈرل وغیرہ وغیرہ

## میسرز علی محمد اسماعیل 39A/S مولجی جیٹھا مارکیٹ کراچی

نیز

اسٹال:- مل ونرز ریٹیل کلاتھ مارکیٹ پرانی نمائش بندر روڈ ایکس ٹینشن کراچی سے بھی مل سکتا ہے

## داؤد کاٹن ملز لمیٹڈ کراچی